بانی:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

جلد: ۲۳

شمارہ: ۳

ربیع الاول سنہ ۱۴۰۹ھ

نومبر سنہ ۱۹۸۸ء

نگران

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی

مدیر

محمد تقی عثمانی

ناظم

شجاعت علی ہاشمی

قیمت فی پرچہ: پانچ روپے

سالانہ: پچاس روپے

سالانہ بدل اشتراک:

بیرون ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک رجسٹری

ریاستہائے متحدہ امریکہ	۲۳۰ روپے
ہانگ کانگ، نائیجیریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ	۱۸۰ روپے
سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت	۱۵۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم، کورنگی کراچی

فون: ۳۱۱۲۱۷

پبلشر: محمد تقی عثمانی، دارالعلوم کراچی پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

نقد و تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر و فکر:

ووٹ کی اسلامی حیثیت

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اُس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

ماہِ رواں میں حکومت پاکستان کے اعلان کے مطابق قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے ارکان کا انتخاب ہونیوالا ہے جسمیں ہر پاکستانی اپنا حق رائے دہی استعمال کریگا۔ رائے دہندگان اور عام قارئین سے اس سلسلہ میں ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ان گذارشات پر مشتمل ایک تحریر جو اس سے پہلے بھی شائع ہو چکی ہے دوبارہ قارئین کے ملاحظہ کیلئے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

پاکستان کی تیئس سالہ تاریخ میں عوام کو ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ انہیں اپنی مرضی سے اپنی حکومت منتخب کرنے کا اختیار نہیں ملا۔ یہ شکایت بلاشبہ بجا اور برحق تھی یہ واقعہ ہے کہ بنارِ پاکستان سے لے کر اب تک انہیں غیر جانب دارانہ عام انتخابات کی سہولت میسر نہیں آ سکی۔ دسمبر ۱۹۷۰ء کے مجوزہ انتخابات کے ذریعہ انہیں پہلی بار یہ موقعہ مل رہا ہے، ابھی تک الیکشن کے انتظامات میں جانب داری کا کوئی پہلو سامنے نہیں آیا۔ لہٰذا جہاں تک ہمارا اندازہ ہے انشاء اللہ یہ انتخابات انتظامیہ کی سمت سے منصفانہ اور غیر جانب دارانہ ہی ہوں گے۔

ان حالات میں پورے ملک کی ذمہ داری عوام پر آ پڑی ہے، اب اگر خدانخواستہ غلط اور نااہل قسم کے لوگ برسرِ اقتدار آئے تو اس کی پوری ذمہ داری عوام پر ہوگی۔ اور

اس موقعہ کے بعد حکام کا تمام تر عذاب و ثواب ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا جو حکام کو منتخب کرکے انہیں اقتدار تک پہنچائیں گے۔

حکومت پر تنقید ہر مہذب ملک میں عوام کا ناگزیر حق سمجھا جاتا ہے جو ہر قیمت باشندوں کو ملنا چاہیئے، اس حق کی ضرورت وافادیت ناقابل انکار ہے، لیکن ہم نے ماضی میں اس حق کا غلط استعمال بھی کیا ہے ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس حق کے استعمال کے بہانے خود اپنی بہت سی کمزوریوں کو چھپانے کی کوشش کی ہے، اور اس پہلو سے بہت کم غور کیا ہے کہ ہمارے حکام بھی درحقیقت خود ہمارے کردار وعمل کا آئینہ ہوتے ہیں، سابق صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب کا دور حکومت اپنی آمریت اور عوام کی حق تلفی کے لئے آج بہت بدنام ہے، اور کوئی شک نہیں کہ اس کی بدعنوانیاں اسی لائق تھیں، لیکن اس دور کی بہت سی خرابیوں کی ذمہ داری خود ہم پر بھی عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم میں خوف، طمع اور ذاتی مفاد پرستی کے جذبات نہ ہوتے تو نہ یہ آمریت ہم پر دس سال تک مسلط رہ سکتی تھی، اور نہ اپنے اقتدار کے سائے میں وہ گل کھلا سکتی تھی جنھوں نے ملک کو مادی اور اخلاقی تباہی کے کنارے پہنچا کر چھوڑا۔

وہ بلاشبہ قابل صد نفرین وملامت ہیں جو اپنی دولت کے سہارے ووٹ خرید خرید کر اقتدار تک پہنچتے ہیں، لیکن ان کے جرم میں وہ عوام بھی برابر کے شریک ہیں جو کھنکتے ہوئے سکوں کی آواز سن کر قوم، ملک دین اور اخلاق سب کو بھول جاتے ہیں۔ اور پھر جب ان کے ووٹوں کے خریدار اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر سارے عوام کا خون نچوڑتے ہیں تو یہ اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کے بجائے حکومت پر تنقید کے بہانے دولت کے کسی نئے سورج کی پرستش شروع کردیتے ہیں۔

اب تک تو یہ خیر کہنے کی گنجائش بھی تھی کہ تیئس سال کی مدت میں ایسے انتخابات ہوئے ہی نہیں جن میں ملک کے تمام بالغ باشندوں کو اپنی رائے کا استعمال کرنے کا موقع ملا ہو، لیکن اگر دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات ٹھیک ٹھیک منعقد ہوگئے تو یہ کہنے کا بھی کوئی حق عوام کو نہیں رہے گا۔ اور اب جو حکومت بھی آئے گی اس کے تمام اعمال وافعال بجا طور پر خود ان ہی کی طرف منسوب ہوں گے، اور اب اگر حکومت نے لادینیت کو فروغ دیا، اسلام پر عمل جراحی کی، نظریۂ پاکستان کو مٹایا، بد اخلاقی پھیلائی، عریانی اور فحاشی کی

حوصلہ افزائی کی، غریب عوام کے حقوق تلف کئے اور ملک و ملت کا خون نچوڑا تو کم از کم باہر کی دنیا میں یہی سمجھا جائے گا کہ اس قوم کی اکثریت یہی کچھ چاہتی ہے، اور (خاکم بدہن) یہ پوری قوم ہی اخلاق باختہ اور قومی و اجتماعی غیرت و حمیت سے خالی ہے۔

دوسری طرف اگر عوام نے اس مرحلے پر اپنی ذمہ داری کا خاطر خواہ احساس کیا، اور خوف و طمع کے محرکات کو قدموں تلے کچل کر پوری دیانت داری اور اجتماعی شعور کے ساتھ اپنے ووٹ کا استعمال کیا تو آنے والی حکومت گذشتہ تیس سال کے نقصانات کی تلافی کر کے رفتہ رفتہ ماضی کے سارے داغ دھو سکتی ہے، اور اس صورت میں پوری دنیا پر یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ یہ قوم آزادی کی قدر پہچانتی ہے اور اس کا صحیح استعمال جانتی ہے۔

جب تک ہم پوری دنیا پر اپنے عمل سے یہ باور نہیں کرائیں گے کہ ہم ایک مکمل دین اور مستحکم نظام حیات رکھتے ہیں، اور دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اپنے اس دین سے پھیر نہیں سکتی، اس وقت تک ہمارا ملک بیرونی سازشوں کی آماجگاہ بنا رہے گا، دنیا کی تمام طاقتور قومیں ہمیں ایک بکاؤ مال سمجھ کر ہمارے قومی تشخص، عزت اور آزادی کا نیلام کرتی رہیں گی، لیکن اگر ایک مرتبہ ہم نے اپنے عمل سے دنیا کو یہ بتا دیا کہ کسی دنیوی مصیبت کا خوف یا کسی دنیوی آسائش کا لالچ ہمیں اپنے ضمیر کے خلاف زبان قلم یا قدم اٹھانے پر آمادہ نہیں کر سکتا تو یہ خارجی طاقتیں سازشوں کے جال ہزار بن لیں، اللہ کی نصرت سے ہم پر کبھی اپنا تسلط قائم نہیں کر سکیں گی۔

اس لحاظ سے آئندہ ماہ ہونے والے انتخابات عوام کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار بن کر آرہے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس سے اپنے دشمنوں کا خاتمہ کر کے امن و سکون حاصل کر سکتے ہیں، اور چاہیں تو اسی تلوار کو خود اپنے گلے پر چلا کر خود اپنا کام بھی تمام کر سکتے ہیں۔

ماضی کی گندی سیاست نے الیکشن اور ووٹ کے لفظوں کو اتنا بدنام کر دیا ہے کہ ان کے ساتھ مکر و فریب، جھوٹ، رشوت اور دغا بازی کا تصور لازم ذات ہو کر رہ گیا ہے، اسی لئے اکثر شریف لوگ اس جھنجھٹ میں پڑنے کو مناسب ہی نہیں سمجھتے، اور یہ غلط فہمی تو بے حد عام ہے کہ الیکشن اور ووٹوں کی سیاست کا

دین و مذہب سے کوئی واسطہ نہیں، اس سلسلے میں ہمارے معاشرے کے اندر چند در چند غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، یہاں ان کا ازالہ بھی ضروری ہے۔

پہلی غلط فہمی تو سیدھے سادے لوگوں میں اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، اس کا منشا اتنا برا نہیں، لیکن نتائج بہت برے ہیں، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ آج کی سیاست مکر و فریب کا دوسرا نام بن چکی ہے، اس لئے شریف آدمیوں کو نہ سیاست میں کوئی حصہ لینا چاہئے، نہ الیکشن میں کھڑا ہونا چاہئے اور نہ ووٹ ڈالنے کے خرخشے میں پڑنا چاہئے۔

یہ غلط فہمی خواہ کتنی نیک نیتی کے ساتھ پیدا ہوئی ہو، لیکن بہرحال غلط اور ملک و ملت کے لئے سخت مضر ہے، ماضی میں ہماری سیاست بلاشبہ مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے، لیکن جب تک کچھ صاف ستھرے لوگ اسے پاک کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھیں گے۔ اس گندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائیگا اور پھر ایک نہ ایک دن یہ نجاست خود ان کے گھروں تک پہنچ کر رہے گی۔ لہٰذا عقلمندی اور شرافت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ سیاست کی اس گندگی کو دور دور سے برا کہا جا رہا ہے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے جو مسلسل اسے گندا کر رہے ہیں۔

پھر آئندہ ماہ کے انتخابات محض چند انتظامی نوعیت کی تبدیلیوں کے لئے منعقد نہیں ہو رہے، یہ پورے ملک کی زندگی کا ایک انقلابی موڑ ہے جس میں ملک و ملت کی قسمت کا فیصلہ ہونا ہے، ان انتخابات میں دو مختلف نظریئے اور دو متحارب نظامِ زندگی ٹکرائیں گے، ایک کا کہنا یہ ہے کہ پاکستان محض ایک معاشی ضرورت کے تحت بنا تھا، اس کا کوئی مستقل نظریہ نہیں ہے، اس کائنات پر حکومت انسانی خواہشات کی ہے، وہی اچھے برے کا فیصلہ کرے گی، اور وقت کے لحاظ سے زندگی کا جو دستور بھی سمجھ میں آجائے گا، اسی کے مطابق زندگی کو ڈھال لیا جائے گا۔ اور دوسرے کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کائنات پر حاکمیت صرف اللہ کی ہے، اچھے برے کا فیصلہ کرنے والا وہی ہے، پاکستان اسی کے نام پر بنا تھا، یہاں اسی کا قانون چلے گا اسی کی بات مانی جائے گی، اور سیاست و معیشت سے لے کر پرائیویٹ زندگی تک ہر معاملے میں اسی کے احکام واجب الاطاعت ہوں گے۔

ان حالات میں جب کہ لڑائی اسلام اور لادینیت کی اور پاکستان کے بقا و

فنا کی ہے، کسی بھی باشعور شخص کے لئے غیر جانب دار رہنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، اس وقت ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی ساری توانائیاں اسلامی قوتوں کو مدد پہنچانے میں صرف کرے، اس موقع پر خاموش بیٹھنا بھی ایسا ہی جرم ہے جیسا دشمن کو تقویت پہنچانا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشك أن يعمهم الله بعقاب (جمع الفوائد ص: ۱۵ ج ۲ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام نازل فرمائیں۔

اگر آپ کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ظلم ہو رہا ہے، اور انتخابات میں سرگرم حصہ لے کر اس ظلم کو کسی نہ کسی درجے میں مٹانا آپ کی قدرت میں ہے تو اس حدیث کی رو سے یہ آپ کا فرض ہے کہ خاموش بیٹھنے کے بجائے ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس ظلم کو روکنے کی مقدور بھر کوشش کریں۔

بہت سے دین دار لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اپنا ووٹ استعمال نہیں کریں گے تو اس سے کیا نقصان ہوگا؟ لیکن سنیئے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من أذل عنده مؤمن فلم ينصره وهو يقدر على أن ينصره أذله الله على رؤوس الخلائق (ایضاً ص ۵۱، ج ۲)

جس شخص کے سامنے کسی مؤمن کو ذلیل کیا جا رہا ہو اور وہ اس کی نصرت کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے برسرِ عام رسوا کرے گا۔

شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت "شہادت" (گواہی کی سی ہے، اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور ناجائز ہے۔ اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ

اور تم ـــــ گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو شخص اس گواہی کو چھپائے،
اس کا دل گناہ گار ہے۔

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ كَتَمَ شَهَادَةً إِذَا دُعِيَ إِلَيْهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَ بِالزُّورِ۔

(جمع الفوائد بحوالہ طبرانی ص ۲۶۲ ج ۱)

جس کسی کو شہادت کے لئے بلایا جائے، پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا
ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا۔

بلکہ گواہی دینے کے لئے تو اسلام نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ کسی کے مطالبہ
کرنے سے پہلے ہی انسان اپنا یہ فریضہ ادا کر دے، اور اس میں کسی کی دعوت یا ترغیب
کا انتظار بھی نہ کرے۔ حضرت زید بن خالد رض روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا:۔

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ
أَنْ يُسْأَلَهَا۔ (ایضاً ص ۲۶۱ ج ۱ بحوالہ مالک ومسلم وغیرہ)

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بہترین گواہ کون ہے؟ وہ شخص جو اپنی
گواہی کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی ادا کر دے۔

ووٹ بلاشبہ ایک شہادت ہے، قرآن و سنت کے یہ تمام احکام اس پر
بھی جاری ہوتے ہیں، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضا نہیں، اس کا
زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ یوں بھی سوچنے کی بات ہے
کہ اگر شریف، دین دار اور معتدل مزاج کے لوگ انتخابات کے تمام معاملات سے
بالکل یکسو ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ یہ پورا
میدان، شریروں، فتنہ پردازوں اور بے دین افراد کے ہاتھوں میں سونپ رہے
ہیں، ایسی صورت میں کبھی بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ حکومت نیک اور اہلیت رکھنے
والے افراد کے ہاتھ میں آئے، اگر دین دار لوگ سیاست سے اتنے بے تعلق
ہو کر رہ جائیں تو پھر انہیں ملک کی دینی اور اخلاقی تباہی کا شکوہ کرنے کا بھی کوئی حق
نہیں پہنچتا، کیوں کہ اس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے اور ان کے حکام کا سارا عذاب و

ثواب ان ہی کی گردن پر ہوگا اور خود ان کی آنے والی نسلیں اس شر و فساد سے کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکیں گی جس پر بند باندھنے کی انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی۔

انتخابات کے سلسلے میں ایک دوسری غلط فہمی پہلی سے زیادہ سنگین ہے، چونکہ دین کو لوگوں نے صرف نماز روزے کی حد تک محدود سمجھ لیا ہے، اس لئے سیاست و معیشت کے کاروبار کو وہ دین سے بالکل الگ تصور کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارے معاملات دین کی گرفت سے بالکل آزاد ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو اپنی نجی زندگی میں نماز روزے کے اور وظائف و اوراد تک کے پابند ہوتے ہیں، لیکن نہ انہیں خرید و فروخت کے معاملات میں حلال و حرام کی فکر ہوتی ہے، نہ وہ نکاح و طلاق اور برادریوں کے تعلقات میں دین کے احکام کی کوئی پرواہ کرتے ہیں۔

ایسے لوگ انتخابات کو بھی ایک خالص دنیاوی سودا سمجھ کر اس میں مختلف قسم کی بدعنوانیں کو گوارا کر لیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا ہے، چنانچہ بہت سے لوگ اپنا ووٹ اپنی دیانتدارانہ رائے کے بجائے محض ذاتی تعلقات کی بنیاد پر کسی نااہل کو دے دیتے ہیں، وہ دل میں خوب جانتے ہیں کہ جس شخص کو ووٹ دیا جارہا ہے وہ اس کا اہل نہیں یا اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص اس کا زیادہ حق دار ہے لیکن صرف دوستی کے تعلق، برادری کے رشتے، یا ظاہری لحاظ و مروت سے متاثر ہو کر وہ اپنے ووٹ کو غلط جگہ استعمال کر لیتے ہیں اور کبھی خیال میں بھی نہیں آتا کہ شرعی و دینی لحاظ سے انہوں نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ہے، ووٹ ایک شہادت ہے اور شہادت کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے۔

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ

اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کرو خواہ وہ شخص (جس کے خلاف بات کہی جارہی ہے) تمہارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔

جب کسی شخص کے بارے میں ضمیر اور دیانت کا فیصلہ یہ ہو کہ وہ ووٹ کا مستحق نہیں ہے، یا کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلے میں زیادہ اہلیت رکھتا ہے، تو اس وقت محض ذاتی تعلقات کی بناء پر اسے ووٹ دینا "جھوٹی گواہی" کے ذیل میں آتا ہے اور قرآن کریم

بہ جھوٹی گواہی کی مذمت اتنی شدت کے ساتھ کی گئی ہے کہ اُسے بت پرستی کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۔

پس تم پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے اور پرہیز کرو جھوٹی بات کہنے سے۔

اور حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر جھوٹی گواہی کو اکبر الکبائر میں شمار کر کے اس پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں اکبر الکبائر (بڑے بڑے گناہ) نہ بتاؤں ---؟ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی اور خوب اچھی طرح سنو! جھوٹی گواہی، جھوٹی بات! "حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، جب جھوٹی گواہی کا ذکر آیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے، اور "جھوٹی گواہی" کا لفظ بار بار ارشاد فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم دل میں کہنے لگے کہ کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔ (بخاری و مسلم، جمع الفوائد ص ۱۶۲ ج ۲)

یہ وعیدیں تو صرف ووٹ کے اس غلط استعمال پر صادق آتی ہیں جو محض ذاتی تعلقات کی بنا پر دیا گیا ہو، اور روپے پیسے لے کر کسی نااہل کو ووٹ دینے میں جھوٹی گواہی کے علاوہ رشوت کا عظیم گناہ بھی ہے۔

لہٰذا ووٹ ڈالنے کے مسئلہ کو ہرگز یوں نہ سمجھا جائے کہ یہ ایک خالص دنیوی مسئلہ ہے، اور دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں، یقین رکھیئے کہ آخرت میں ایک ایک شخص کو اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اور اپنے دوسرے اعمال کے ساتھ اس عمل کا بھی جواب دینا ہے کہ اس نے اپنی اس "شہادت" کا استعمال کس حد تک دیانت داری کے ساتھ کیا ہے۔

بعض حضرات یہ بھی سوچتے ہیں کہ اگر نااہل کو ووٹ دینا گناہ ہے تو ہم کون سے پاکباز ہیں؟ ہم صبح سے لے کر شام تک بے شمار گناہوں میں ملوث رہتے ہیں، اگر اپنے گناہوں کی طویل فہرست میں ایک اور گناہ کا اضافہ ہو جائے تو بھی کیا حرج ہے؟

لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ یہ نفس و شیطان کا سب سے بڑا دھوکہ ہے، اول تو انسان اگر ہر گناہ کے ارتکاب کے وقت یہی کچھ سوچا کرے تو وہ کبھی کسی گناہ سے نہیں بچ سکتا، اگر کوئی شخص تھوڑی سی گندگی میں ملوث ہو جائے تو اس کو اس سے پاک ہونے کی فکر کرنی چاہیئے

نہ یہ کہ وہ غلاظت کے کسی تالاب میں چھلانگ لگادے۔

دوسرے گناہ گناہ کی نوعیتوں میں بھی بڑا فرق ہے۔ جن گناہوں کے نتائجِ بد پوری قوم کو بھگتنے پڑیں ان کا معاملہ پرائیوٹ گناہوں کے مقابلے میں بہت سخت ہے، انفرادی نوعیت کے جرائم، خواہ اپنی ذات میں کتنے ہی گھناؤنے اور شدید ہوں، لیکن ان کے اثرات دو چار افراد سے آگے نہیں بڑھتے۔ اس لئے ان کی تلافی بھی عموماً اختیار میں ہوتی ہے۔ ان سے توبہ واستغفار کر لینا بھی آسان ہے، اور ان کے معاف ہو جانے کی امید بھی ہر وقت کی جا سکتی ہے۔ اس کے برخلاف جس گناہ کا بُرا نتیجہ پورے ملک اور پوری قوم نے بھگتنا ہو، اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں، یہ تیر کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں آسکتا۔ اس لئے اگر کسی وقت انسان اس بد عملی سے آئندہ کے لئے توبہ کرلے تو کم از کم ماضی کے جرم سے عہدہ برا ہونا بہت مشکل ہے، اور اس کے عذاب سے رہائی کی امید بہت کم۔

اس حیثیت سے یہ گناہ چوری، ڈاکہ، زناکاری اور دوسرے تمام گناہوں سے شدید تر ہے۔ اور اسے دوسرے جرائم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

یہ درست ہے کہ ہم صبح وشام بیسیوں گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن یہ سب گناہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت توبہ کی توفیق بخشے تو معاف بھی ہو سکتے ہیں اوران کی تلافی بھی کی جاسکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم اپنی گردن ایک ایسے گناہ میں بھی پھنسالیں جس کی تلافی ناممکن اور جس کی معافی بہت مشکل ہے۔

بعض لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ لاکھوں ووٹوں کے مقابلے میں ایک شخص کے ووٹ کی کیا حیثیت ہے؟ اگر وہ غلط استعمال بھی ہوجائے تو ملک وقوم کے مستقبل پر کیا اثرانداز ہوسکتا ہے؟

لیکن اول تو اگر ہر شخص ووٹ ڈالتے وقت یہی سوچنے لگے تو ظاہر ہے کہ پوری آبادی میں کوئی ایک ووٹ بھی صحیح استعمال نہیں ہوسکیگا۔ پھر ووٹوں کی گنتی کا جو نظام ہمارے یہاں رائج ہے اس میں صرف ایک ان پڑھ جاہل شخص کا ووٹ بھی ملک وملت کیلئے فیصلہ کن ہوسکتا ہے اگر ایک بے دین بد عقیدہ اور بد کردار امیدوار کے بیلٹ بکس میں صرف ایک ووٹ دوسروں سے زیادہ چلا جائے تو وہ کامیاب ہو کر پوری قوم پر مسلط ہو جائیگا۔ اسطرح بعض اوقات صرف ایک جاہل اور ان پڑھ انسان کی معمولی سی غفلت، بھول چوک یا بد دیانتی بھی پورے ملک کو تباہ کرسکتی ہے اسلئے مروجہ نظام میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہے اور یہ ہر فرد کا شرعی، اخلاقی، قومی اور ملی فریضہ ہے کہ وہ اپنے ووٹ کو اتنی ہی توجہ اور اہمیت کے ساتھ استعمال کرے جس کا وہ فی الواقع مستحق ہے۔

محمد تقی عثمانی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب اور ایامِ تخلیق کی تعیین

معارف القرآن : سورۂ حمٓ السجدہ : آیت ۹ تا ۱۲

خلاصۂ تفسیر

آپ (ان لوگوں سے) فرمایئے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (باوجود اس کی بڑی وسعت کے) دو روز (کی مقدار وقت) میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو یہی (خدا جس کی قدرت معلوم ہوئی) سارے جہان کا رب ہے، اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس زمین میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں (جیسے نباتات و حیوانات وغیرہ) اور اس (زمین) میں اس (کے رہنے والوں) کی غذائیں تجویز کر دیں (جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ ہر حصہ زمین کے رہنے والوں کے مناسب الگ الگ غذائیں ہیں یعنی زمین میں ہر قسم کے غلے میوے پیدا کر دیئے کہیں کچھ جن کا سلسلہ برابر جاری ہے یہ سب) چار دن میں (ہوا۔ دو دن میں زمین دو دن میں پہاڑ وغیرہ جو شمار میں) پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے (یعنی ان لوگوں کے لئے جو تخلیق کائنات کی کیفیت اور کمیت کے متعلق آپ سے سوالات کرتے ہیں جیسا کہ یہود نے آپ سے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے متعلق سوال کیا تھا۔ کما فی الدر المنثور) پھر (یہ سب کچھ پیدا

کر کے آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اور وہ اس وقت دھواں سا تھا (یعنی آسمان کا مادہ جو زمین کے مادے کے بعد زمین کی موجودہ صورت سے پہلے بن چکا تھا وہ دھوئیں کی شکل میں تھا) سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں (کو ہماری اطاعت کی طرف آنا تو ضرور پڑے گا اب تم کو اختیار ہے کہ) خوشی سے آؤ یا زبردستی سے (مطلب یہ ہے کہ ہمارے تقدیری احکام جو تم دونوں میں جاری ہوا کریں گے ان کا جاری ہونا تو تمہارے اختیار سے خارج ہے وہ تو ہو کر رہیں گے۔ لیکن جو ادراک و شعور تم کو عطا ہوا ہے اس کے اعتبار سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ہمارے احکام تقدیری کو اپنی خوشی سے قبول کرو یا ان سے دل میں ناراض ہو، اور وہ زبردستی تمہارے اندر نافذ کئے جاویں۔ جیسے انسان کے لئے امراض اور موت کا معاملہ ہے کہ ان کا ہونا تو امر تقدیری ہے جس کو انسان ٹال نہیں سکتا۔ مگر کوئی دانشمند اس کو راضی خوشی قبول کرتا ہے اور صبر و شکر کے فوائد حاصل کرتا ہے۔ کوئی ناراض و ناخوش رہتا ہے۔ گھٹ گھٹ کر مرتا ہے۔ تو اب تم دیکھ لو کہ ہمارے ان احکام پر راضی رہا کرو گے یا کراہت رکھو گے اور مراد ان تقدیری احکام سے جو آسمان و زمین میں جاری ہونے والے تھے یہ ہیں کہ آسمان ابھی صرف مادہ دھوئیں کی شکل میں تھا۔ اس کا سات آسمانوں کی صورت میں بننا حکم تقدیری تھا اور زمین اگرچہ بن چکی تھی مگر اس میں بہت سے انقلابات و تغیرات قیامت تک چلنے والے تھے) دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے (ان احکام کے لئے) حاضر ہیں۔ سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنا دیئے اور (چونکہ ساتوں آسمانوں کو فرشتوں سے آباد و معمور کر دیا گیا تھا اس لئے) ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم (فرشتوں کو) بھیج دیا (یعنی جن فرشتوں سے جو کام لینا تھا وہ ان کو بتلا دیا) اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور (شیاطین کو آسمانی خبریں چوری کرنے سے روکنے کے لئے) اس کی حفاظت کی یہ تجویز ہے اللہ زبردست عالم الکل کی طرف سے۔

معارف و مسائل

ان آیات میں اصل مقصود منکرین توحید مشرکین کو ان کے کفر و شرک پر ایک بلیغ انداز میں تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی صفت تخلیق اور آسمان و زمین کی عظیم مخلوقات کو بے شمار حکمتوں پر مبنی پیدا کرنے کی تفصیل دیکر ان کو بطور زجر خطاب کیا گیا ہے کہ کیا تم ایسے بے عقل ہو کر ایسے عظیم خالق و قادر کے ساتھ دوسروں کو شریک خدائی قرار دیتے ہو۔ اسی قسم کی تنبیہ و تفصیل سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع میں آ چکی ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا
فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

سورہ بقرہ کی آیات میں ایام تخلیق کی تعیین اور تفصیل کا ذکر نہیں۔ سورہ فصلت کی مذکورہ آیات میں اس کا بھی

ذکر ہے۔

آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب اور ایام تخلیق کی تعیین | بیان القرآن میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا۔ یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔ ایک یہ آیت حٰم سجدہ کی اور دوسری سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت، تیسری سورۂ نازعات کی یہ آیات :-

ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰهَا وَ الْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۔

اور سرسری نظر میں ان سب مضامین میں کچھ اختلاف سا بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سورۂ بقرہ اور سورۂ حٰم سجدہ کی آیت سے زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورۂ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس بظاہر زمین کی تخلیق آسمان کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سیالہ کے سات آسمان بنا دیئے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی۔ آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں (بیان القرآن۔ سورہ بقرہ، رکوع ۳)

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے اسی آیت کے تحت میں چند سوالات و جوابات مذکور ہیں ان میں اس آیت کی جو تشریح حضرت ابن عباسؓ نے فرمائی وہ تقریباً یہی ہے۔ جو حضرتؒ نے تطبیق آیات کے لئے بیان فرمائی ہے۔ اس کے الفاظ جو ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت میں نقل کئے ہیں۔ یہ ہیں۔

وخلق الارض فی یومین ثم خلق السمآء ثم استوی الی السمآء فسوّٰھن فی یومین اٰخرین ثم دحی الارض ودحیھا ان اخرج منھا المآء والمرعیٰ وخلق الجبال والرمال والجماد والاٰکام ومابینھما فی یومین اٰخرین فذلک قولہ تعالیٰ دحاھا۔

اور حافظ ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر حضرت ابن عباسؓ سے آیت حٰم سجدہ کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ :-

یہود مدینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا اور پہاڑ اور اس میں جو کچھ معدنیات وغیرہ ہیں ان کو منگل کے روز اور درخت اور پانی کے چشمے اور شہر اور عمارتیں اور ویران میدان بدھ کے روز، یہ کل چار روز ہو گئے، جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

ءَإِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ ۝

یعنی ان لوگوں کے لئے جو اس تخلیق کا سوال کریں۔ پھر فرمایا اور جمعرات کے روز آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے اور شمس و قمر اور فرشتے یہ سب کام جمعہ کے دن میں تین ساعت باقی تھیں جب پورے ہوئے ان میں سے دوسری ساعت میں آفات و مصائب جو ہر چیز پر آنے والی ہیں وہ پیدا فرمائی ہیں اور تیسری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کو جنت میں ٹھیرایا اور ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا اور سجدہ سے انکار کرنے پر جنت سے نکال دیا گیا۔ یہ سب تیسری ساعت کے ختم تک ہوا۔

(الحدیث بطولہ۔ ابن کثیر)

ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کرکے فرمایا۔ هٰذَا الْحَدِيثُ فِيهِ غَرَابَةٌ۔

اور صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے جس میں تخلیق عالم کی ابتداء یوم السبت یعنی ہفتہ کے روز سے بتلائی گئی ہے۔ اس کے حساب سے آسمان و زمین کی تخلیق کا سات روز میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر عام نصوص قرآن میں یہ تخلیق چھ روز میں ہونا صراحۃً مذکور ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ۔ یعنی ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے اس کو چھ دن میں، اور ہمیں کوئی تکان پیش نہیں آیا۔ اس لئے نیز اس کی سند کے اعتبار سے بھی اکابر محدثین نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کو بحوالہ مسلم و نسائی نقل کرکے فرمایا وهو من غرائب الصحيح المسلم كما في زاد المسير۔ لابن الجوزی یعنی یہ حدیث صحیح مسلم کے غرائب میں سے ہے اور پھر فرمایا کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں اس روایت کو معلول قرار دیا ہے اور بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہ سے بروایت کعب احبار نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں اور فرمایا کہ یہی اصح ہے (ابن کثیر ص ۹۴ ج ۴) اسی طرح ابن مدینی اور بیہقی وغیرہ حفاظ حدیث نے بھی اس کو کعب احبار کا قول قرار دیا ہے (حاشیہ زاد المسیر لابن الجوزی ص ۲۴۳ ج ۷)

یہی روایت جو ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے۔ ابن کثیر کے فیصلے کے مطابق اس میں بھی غرابت ہے ایک وجہ غرابت کی یہ بھی ہے کہ اس روایت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق کے ساتھ آخری دن جمعہ کی آخری ساعت میں، اور اسی ساعت میں حکم سجدہ اور ابلیس کا جنت سے اخراج مذکور ہے۔

حالانکہ متعدد آیات قرآنی میں جو قصہ تخلیق آدم علیہ السلام کا اور حکم سجدہ اور اخراج ابلیس کا مذکور ہے اس کے سیاق سے بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ تخلیق ارض و سماء سے بہت زمانہ بعد ہوا ہے جبکہ زمین میں اس کی تمام ضروریات مکمل ہو چکیں اور جنات و شیاطین وہاں بسنے لگے اس کے بعد فرمایا إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ (کذا قال فی المظہری)

سیرت کانفرنسوں کیلئے لمحۂ فکریہ

عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع الاول کی سیرت کے اجتماعات سے متعلق ایک جامع مضمون بڑے اہم مضامین پر مشتمل نہایت دردمندی سے تحریر فرمایا تھا یہ اس سے پہلے بھی ماہنامہ البلاغ میں اچکا ہے موقع کی مناسبت سے اور مضمون کی افادیت کے پیش نظر دوبارہ قارئین البلاغ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد للہ و کفیٰ و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ

کافی عرصے سے ہمارے ملک میں سیرت کانفرنسیں اور سیرت طیبہ کے نام پر جلسے، اور اجتماعات منعقد کرنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ خاص طور پر ربیع الاول کے مہینے میں ان کانفرنسوں اور اجتماعات کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، اور ہر شہر اور قصبے میں گلی گلی یہ محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ کچھ عرصے سے سیرتِ طیبہ کے نام پر ان تقریبات کا اہتمام سرکاری پیمانے پر بھی ہونے لگا ہے، اس غرض کیلئے حکومت کی سطح پر جلسے، کانفرنسیں اور تقریبات منعقد کی جاتی ہیں اور بعض جگہ جلوس بھی نکالے جاتے ہیں۔

اگر نبی رحمت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو صحیح مقصد، صحیح جذبے اور صحیح طریقے سے سُننے سُنانے کا اہتمام ہوتا تو نہ صرف یہ کہ وہ ہم سب کیلئے باعثِ

سعادت تھا، بلکہ اس سے ہماری بگڑی ہوئی زندگی کی کایا پلٹ سکتی تھی، سیرتِ طیبہ کی تو خاصیت ہی یہ ہے کہ اگر اس کو صحیح جذبے اور صحیح طریقے سے سُنا اور سُنایا جائے تو اس کا ایک ایک واقعہ زندگیوں میں انقلاب برپا کرنے کیلئے کافی ہے۔

لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا ہے کہ ہم سالہا سال سے ہر ربیع الاوّل کے مہینے میں نہایت دُھوم دھام سے سیرت کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں، لیکن ہماری عملی زندگی میں ان اجتماعات کا کوئی ادنیٰ سا اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ ہماری دینی اور اخلاقی حالت روز بروز گر رہی ہے، ہماری معیشت اور معاشرت بدستور تقلیدِ مغرب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، اور ہماری ہر نقل و حرکت سیرت و سُنّت کی اتباع سے مسلسل دُور ہٹتی چلی جارہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس سیرتِ طیبہ نے ایک مختصر عرصے میں صرف جزیرۂ عرب ہی کے نہیں، بلکہ پوری دنیا کے اخلاق و اعمال، معیشت و معاشرت، سیرت و کردار، اور رہن سہن کے طریقے بدل ڈالے تھے، آج اسی سیرتِ طیبہ کو سننے سُنانے کے باوجود ہماری تباہ حالی میں کوئی فرق کیوں نہیں آتا؟ ـــــ ذرا غور کیا جائے تو اس سوال کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم سیرتِ طیبہ کی اصل روح، اس کے حقیقی مقصد اور اس کے تذکرے کے صحیح طریقِ کار کو چھوڑ کر چند ایسے رسمی مظاہروں اور نمائشی کارروائیوں میں مُبتلا ہوگئے ہیں جن کا نہ صرف دین سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ جو سیرتِ طیبہ کے احترام و عظمت کے بھی منافی ہیں۔

ان سیرت کانفرنسوں اور سیرت کے جلسوں جلوسوں میں طرح طرح کی غلطیاں عام ہوچکی ہیں جو نہ صرف سیرتِ طیبہ کے مبارک مقصد کو حاصل کرنے میں رُکاوٹ بنی ہوئی ہیں، بلکہ ان کی موجودگی میں (اللہ بچائے) اُلٹے وبال کا اندیشہ ہے۔ ان سطور میں انتہائی دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ مخلصانہ طور پر اسی قسم کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلانا مقصود ہے، خدانخواستہ اس کا مقصد کسی پر حرف گیری یا طعن و استہزا نہیں، بلکہ یہ تمام مسلمانوں کیلئے ایک ہمدردانہ دعوتِ فکر ہے کہ خُدا کیلئے ہم اپنے طرزِ عمل کو شریعت و سُنّت کے معیار پر جانچ کر دیکھیں کہ ہم سیرتِ طیبہ کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ اس مقدس

نام کو کس کس طرح استعمال کیا جا رہا ہے؟ اور اس کے نتیجے میں کہیں ہم اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو متوجہ کرنے کے بجائے خدانخواستہ اس کے وبال کو دعوت تو نہیں دے رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مسئلے پر اخلاص کے ساتھ غور کرنے اور اپنی غلطیوں کے تدارک کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

(۱) سب سے پہلی غور طلب بات یہ ہے کہ ان کانفرنسوں کے منتظمین، مقررین، مقالہ نگار حضرات اور سامعین میں سے کتنے حضرات ایسے ہوتے ہیں جو اس سچی نیت کے ساتھ ان اجتماعات میں جاتے ہوں کہ ان اجتماعات سے کوئی عملی سبق لیکر اس کے مطابق اپنی زندگی کو بدلنے کی کوشش کریں گے؟ کیا ان کانفرنسوں کے بار بار منعقد ہونے کے باوجود مذکورہ حضرات میں سے کسی نے بھی اپنی عملی زندگی، اپنی عادات واطوار، اپنے کردار وعمل، اپنے معمولات، اپنی سیرت وصورت، اپنے طرزِ معاشرت، اپنے لباس، پوشاک اور اپنی وضع قطع، غرض یہ کہ کسی بھی چیز میں سنت کے اتباع کیلئے کوئی تبدیلی پیدا کی؟

انتہائی افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم ان سوالات کیلئے جتنا اپنے گریبان میں منہ ڈالیں گے اتنا ہی ان سوالات کا جواب نفی میں ملے گا۔ اب ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن اجتماعات کے پیچھے اصلاح کا کوئی جذبہ، کوئی نیت ہی نہ ہو، اور اگر دل کے کسی دُور دراز گوشے میں کوئی خفیف سا جذبہ ہو بھی تو اسے رُو بعمل لانے کی کوئی کوشش نہ ہو، وہ اجتماعات کیسے کوئی خوشگوار نتیجہ پیدا کر سکتے ہیں؟

اگر ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ سرکار دو عالم رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ بنی نوعِ انسان کیلئے شرافتِ انسانیت کا سب سے جامع، دلکش اور [illegible] نمونہ ہے تو پھر ہماری سیرت کانفرنسوں کے بے اثر ہونے کی وجہ اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ ان کانفرنسوں کو منعقد کرتے وقت ہماری نیت، ہمارا مقصد، ہمارا جذبہ اور ہمارا طریقِ کار درست نہیں ہوتا۔ ہم یہ کانفرنسیں اس لئے منعقد نہیں کرتے کہ ان سے کوئی عملی سبق حاصل کریں اور ان کے ذریعے کوئی اصلاحی یا تبلیغی کام لیں، بلکہ ہم اُن بد دین قوموں کی تقلید میں شامل ہونا چاہتے ہیں جو اپنے مقدس مذہبی پیشواؤں کے نام پر کچھ تہوار منالینا ہی مذہبی شعار سمجھتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ جو زندگیوں میں انقلاب [illegible] کرنے آئی

تھی اور جس نے صدیوں تک یہ انقلاب پیدا کر کے دکھایا، آج اسی سیرت کے نام پر منعقد ہونے والی یہ زرق برق مجلسیں محض رسمی ہو کر نہ رہ جائیں۔

(۲) ان کانفرنسوں اور جلسوں کے انتظام و اہتمام اور ان کی رسمی کارروائیوں کی تکمیل میں بسا اوقات نمازوں تک کا کوئی خیال نہیں رہتا، جماعت کا اہتمام تو در کنار، بعض اوقات انفرادی نمازیں بھی قضا ہو جاتی ہیں۔ اور جس کانفرنس میں نماز جیسا دین کا اہم ستون منہدم کر دیا جائے، اس کا سیرت و سنّت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اس پر کیسے اللہ کی رحمتیں نازل ہو سکتی ہیں؟ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے اجتماع سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک خوش ہو جائے؟

(۳) سیرتِ طیبہ کے مقدس نام پر منعقد ہونے والے ان اجتماعات میں بعض اوقات کھلے بندوں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ایک ہی اجتماع میں بے محابا بے پردہ اور زینت و آرائش کے ساتھ، بلکہ بعض وقت نیم عریاں لباس میں ملبوس ہو کر شریک ہوتی ہیں۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جس مجلس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ارشادات کی ایسی کھلی نافرمانی کی جا رہی ہو، اور جس میں نامحرم مرد و عورت بے محابا سامنے آ کر ایسے کھلے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہوں، اُس کو سیرت و سُنّت کے ساتھ منسوب کرنا سیرت و سُنّت کے ساتھ، غیر شعوری طور پر ہی سہی، ایک مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

(۴) عام طور سے حکومتی سطح پر سیرت کی جو کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں، اُن کیلئے جگہ ایسی منتخب کی جاتی ہے جہاں عام سامعین پر بھی نہیں مار سکتے، ان مقامات پر داخلہ صرف دعوت ناموں کے ذریعے ہوتا ہے، اور یہ دعوت نامے بھی عموماً "بڑے بڑے لوگوں" کو جاری کئے جاتے ہیں، حالانکہ سیرت و سنّت کا پیغام کسی خاص طبقے کے ساتھ مخصوص ہونے کے بجائے تمام مسلمانوں کیلئے عام ہونا چاہیئے۔

(۵) عموماً ایسی کانفرنسوں میں مقالات کے لئے موضوع ایسا منتخب کیا جاتا ہے جس کا عملی زندگی کی اصلاح سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ وہ نری علمی نکتہ آفرینی کی حد تک محدود ہوتا ہے، حالانکہ یہ ٹھیٹھ علمی نکتہ آفرینیاں بہت سے غیر مسلم مستشرقین بھی کرتے ہیں، ایک

مسلمان کیلئے سیرتِ طیبہ کوئی فلسفہ نہیں، بلکہ ایک راہِ عمل ہے، اور اس میں بنیادی اہمیت اُس راہِ عمل پر چلنے کو حاصل ہے۔ لیکن سیرت کا یہ پیغام عموماً کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتا۔

(۶) اس قسم کی کانفرنسوں میں عموماً مقالہ نگاروں کو بھی دس دس منٹ کے مختصر وقت کا پابند بنا دیا جاتا ہے، یہ بھی سیرتِ طیبہ کے ساتھ ایک رسمی خانہ پُری ہے، ورنہ اس مختصر وقت میں کسی ایک شخص کو بھی سیرت و سنّت کے بارے میں کوئی مؤثر یا نتیجہ خیز بات کہنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ حالانکہ مقالہ نگاروں کی تعداد بڑھانے کے بجائے پیشِ نظر یہ ہونا چاہیئے کہ جو بھی مقالہ پیش ہو یا جو بھی تقریر کی جائے وہ موجودہ وقت کے تقاضوں کے مطابق عملی طور پر مؤثر اور مفید ہو۔

(۷) ایک ستم یہ بھی ہے کہ ان اجتماعات میں شریک ہونے والے بہت سے حضرات اس مقدس موضوع کا بھی احترام نہیں کرتے جس کیلئے یہ اجتماع منعقد ہوا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات مقررین اور سامعین اس مقدس اجتماع میں بھی غیر شرعی لباس پہن کر شریک ہوتے ہیں، اسٹیج کی وضع، کرسیوں کی ہیئت اور نشست کے انداز میں بھی سنّت سے قریب ہونے کے بجائے دشمنانِ اسلام ہی کی نقالی کی جاتی ہے، دعوت نامے انگریزی میں جاری ہوتے ہیں، مقالے انگریزی میں پڑھے جاتے ہیں، محفل سیرت کو انگریزی وضع پر سجایا جاتا ہے، اگر محفل کے دوران یا بعد کچھ کھانے پینے کا انتظام ہو تو اس میں بھی مسنون طریقوں کو چھوڑ کر انگریزی طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص ایسی محفلوں میں مسنون طریقہ اختیار کرنا بھی چاہے تو اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں رکھی جاتی۔ غرض ان جلسہ گاہوں میں آرائش و زیبائش سے لیکر شرکاء کی وضع قطع اور قول و فعل کے انداز تک کسی بھی چیز میں اتباعِ سنّت کی کوئی جھلک نظر آنے کے بجائے ہر چیز پر مغربیت کا تمغۂ امتیاز نظر آتا ہے۔

کاش! کہ جس ذاتِ عالی صفات کی سیرت پر یہ سارا زبانی جمع خرچ کیا جاتا ہے اُس کے اُسوۂ حسنہ کو علم و عمل، اخلاق و کردار اور تہذیب و معاشرت کے دائرے میں عملی طور پر اپنانے کی بھی کسی بندۂ خدا کو توفیق ہو جائے۔

(۸) سیرتِ طیبہ کے موضوع پر جو عوامی جلسے منعقد ہوتے ہیں اُن میں اگرچہ مذکورہ بالا مفاسد کم ہوتے تھے، لیکن اب ان جلسوں میں بھی یہ مفاسد بڑھتے جارہے ہیں، نمازوں کا نقصان، منتظمین

اور مقررین کی غیر شرعی وضع وقطع، آرائش و زیبائش پر فضول اخراجات وغیرہ ان جلسوں میں بھی اب نمایاں ہو رہے ہیں۔

(۹) ان جلسوں میں کی جانے والی تقریروں کا انداز بھی اب ایسا ہو گیا ہے کہ ان سے سننے والوں کو عملی فائدہ حاصل ہونا مشکل ہوتا ہے، اکثر ان جلسوں میں فرقہ وارانہ بحثوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اور ان بحثوں کے دوران مخالف فرقوں پر طعن و تشنیع، بلکہ بعض اوقات دشنام طرازی بھی کی جاتی ہے، کبھی شخصیات کو موضوع بنا کر اُن پر طنز و تعریض کے نشتر چلائے جاتے ہیں، اور زیادہ تر توجہ اس طرف رہتی ہے کہ تقریر زیادہ سے زیادہ دلچسپ، اور چٹخے دار ہو، لیکن سامعین کو کوئی عملی پیغام دینے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض دُو دُو تین تین گھنٹے کی تقریروں کا تجزیہ کیا جائے تو سیرتِ طیبہ کا عنصر آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) قیامت بالائے قیامت یہ ہے کہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام پر اَب بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے ہیں جن کے شور کے آگے مساجد کی اذانیں بھی پست ہو جاتی ہیں، مسجدیں خالی پڑی ہوتی ہیں، اور سڑکوں پر ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، جگہ جگہ خانہ کعبہ اور روضۂ مبارک کی شبیہیں بنائی جاتی ہیں، اور ناواقف مرد اور عورتیں ان پہ نذرانے پیش کرتے ہیں، منتیں مانتے ہیں، اِن جاہلانہ رسموں کا نہ صرف یہ کہ دین سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ تمام باتیں دین کو لہو و لعب کا ذریعہ بنانے کے مرادف ہیں، اور ان سے پرہیز کرنا اور کرانا انتہائی ضروری ہے۔

(۱۱) ماہِ ربیع الاول کے دوران ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر خلافِ شریعت پروگرام نشر ہوتے رہتے ہیں، غضب بالائے غضب یہ کہ نوجوان عورتیں برہنہ سر، غیر شرعی لباس میں ملبوس بزعم خود بڑے جذبۂ تقدس کے ساتھ حمد و نعت ترنم اور خوش گلوئی کے ساتھ سامعین کے سامنے بے حجابانہ پیش کرتی ہیں، اور بعض مرتبہ اس کے ساتھ ساز اور موسیقی کو بھی شامل کیا جاتا ہے، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکامات اُن کے گناہِ کبیرہ ہونے پر ناطق ہیں۔

(۱۲) یہ بھی مشاہدے میں آرہا ہے کہ سڑکوں پر ایک طرف تو سیرتِ نبوی کے جلسے منعقد

ہو رہے ہیں، اور دوسری طرف گرد و پیش کے مکانوں اور دوکانوں پر ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈوں کے ذریعے راگ راگنی کے مختلف فحش پروگرام بآوازِ بلند نشر کئے جا رہے ہیں۔ یہ ہماری بے حسی نہیں تو اور کیا ہے ؟

یہ ہماری اُن سنگین بدعنوانیوں میں سے چند کی ایک مختصر فہرست ہے جن کا ہم آجکل سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر کھُلے بندوں ارتکاب کر رہے ہیں۔ خدا کے لئے ہم اپنی جانوں پر رحم کرکے ان مفاسد کے سدِ باب میں لگ جائیں، ورنہ خدا جانے سیرتِ طیبہ کی یہ بے حرمتی ہمیں تباہی کے کس غار میں لے جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ فی زمانہ ہمارے عام مسلمانوں کے عقائد، اعمال درست کرنے کے لئے کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے، نہ تعلیم گاہوں میں کوئی خاص انتظام ہے اور نہ علماء کے وعظ و تلقین کا کوئی سلسلہ ہے، پھر دینی مطالبات پورے نہیں ہوتے تو پھر عوام جس روش پر بھی پڑ جائیں اُن کے لئے ہزاروں راستے گمراہی کے کھُلے ہوتے ہیں۔

اس معاملہ میں کچھ باتیں تو حکومت کے کرنے کی ہیں، حکومت اپنے اقتدار اور اختیارات سے منکرات، فواحشاتِ شرعیہ کو روک سکتی ہے، اور سب سے زیادہ ذمہ داری علماء، صلحاء کی ہے، وہ ایسے طریقے تبلیغ و اصلاح کے اختیار کریں جو تقاضائے وقت کے لحاظ سے مؤثر ہوں اور پھر بہی خواہان قوم و ملت مسلمانوں کی تمدنی و معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لئے اپنی تقریروں اور تحریروں سے کام لیں، اور سیرت کا نفرنسیں مسلمانوں میں نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنتوں کا احیاء کریں تاکہ مسلمانوں میں شعورِ دینی بیدار ہوتا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی بیداری کے لئے مختلف جماعتوں اور صحافت کے ذریعہ سے دین کی اشاعت کا کام ہو رہا ہے مگر وہ اس قدر محدود اور غیر مؤثر ہے کہ خاطر خواہ نفع نہیں معلوم ہوتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس دَورِ حاضر کا سب سے خطرناک فتنہ نشر و اشاعت کے آلات ہیں، ریڈیو، ٹیلیویژن کے حیاسوز و فحش لٹریچر کی اشاعت ملک و قوم کی اخلاقی و تمدنی زندگی برباد کر رہے ہیں، ان کا انسداد بہت اہم ہے۔

ہم دُعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ! اپنے محبوب نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر رحم

فرمائیے، ہم لوگ جو اپنی نادانی اور بے علمی کی وجہ سے آزادانہ طور پر شعوری و غیر شعوری اسلام
سے بے گانہ ہوتے چلے جا رہے ہیں، اور ہم نے تہذیبِ حاضرہ کے دلکش معاشرہ سے مغلوب ہو کر
صراطِ مستقیم سے ہٹ کر مغضوبین اور ضالین کی سرحد میں قدم ڈال رہے ہیں۔

یا اللہ! ہم کو محض اپنے فضل و کرم سے رشد و ہدایت عطا فرما کر پھر صراطِ مستقیم پر
استقامت عطا فرمائیے، اور ہم کو دنیا و آخرت کے خسارہ اور بربادی سے بچا لیجئے۔
مسلمانوں کے خواص و عوام میں جذبۂ ایمانی بیدار فرما دیجئے، اور اصولِ اسلام پر
کاربند ہونے کی توفیقِ راسخ عطا فرمائیے، اور اشاعتِ دینِ متین کے لئے ذرائع و وسائل
آسان اور مؤثر بنا دیجئے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة
انك انت الوھّاب۔ اللّٰھم انا نسئلك من خیر ما سئلك نبیّك
محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عربی مقالہ: مولانا محمد تقی عثمانی
ترجمہ: محمد عبداللہ میمن
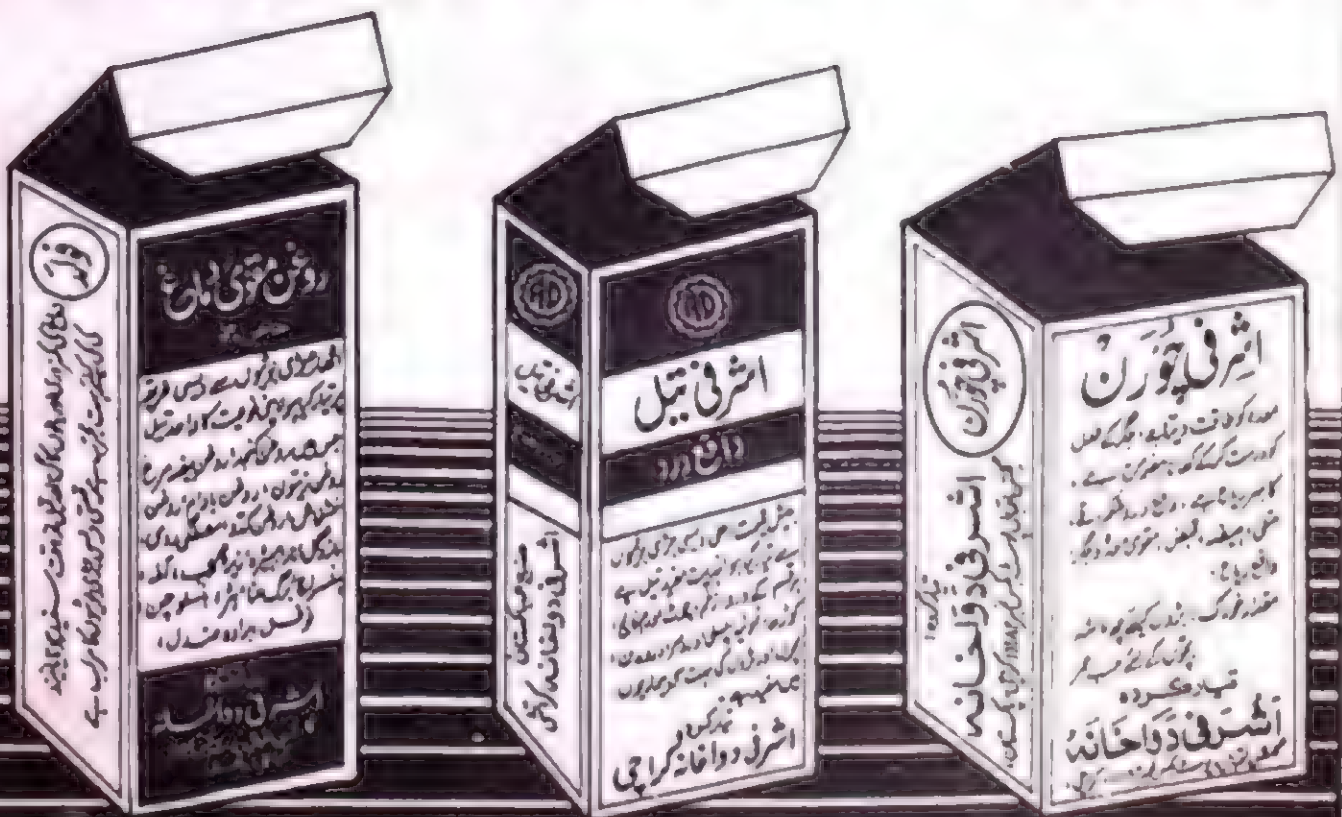
(۲)

کرنسی نوٹ اور زکوٰۃ:

جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائیں۔ "ان پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہوجائیگی۔ اور چونکہ اب یہ نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے۔ اسلئے ان نوٹوں پر قرض کی زکوٰۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے۔ بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہوں گے۔ وجوب زکوٰۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامان تجارت کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح سامان تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔ بعینہ یہی حکم مروجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے۔

اور جس طرح مروجہ سکے کسی غریب کو بطور زکوٰۃ کے دیئے جائیں تو جس وقت وہ فقیر ان سکوں کو اپنے قبضہ میں لیگا اسی وقت اس کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، بعینہ یہی حکم کرنسی نوٹوں کا ہے۔ کہ فقیر کے ان پر قبضہ کرنے سے زکوٰۃ فی الفور ادا ہوجائیگی۔ ان نوٹوں کو استعمال میں لانے یا ان کو سونے یا چاندی میں تبدیل کرنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی موقوف نہ رہیگی۔

نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ!

نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔ ایک یہ کہ ایک ہی ملک کے مختلف مقدار کے نوٹوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا دوسرے ملک کے کرنسی نوٹوں سے تبادلہ کیا جائے۔

ان دونوں صورتوں کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان کئے جاتے ہیں۔

ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ:

جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا کہ تمام معاملات میں کرنسی نوٹ کا حکم بعینہٖ سکّوں کی طرح ہے، جس طرح سکّوں کا آپس میں تبادلہ برابر سرابر کرکے جائز ہے۔ اسی طرح ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کرکے بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلے۔ لہٰذا اگر تبادلہ کرنے والے دو شخصوں میں سے کسی ایک نے بھی مجلس عقد میں نوٹوں پر قبضہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ وہ دونوں جدا ہوگئے، تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک یہ عقد فاسد ہوجائیگا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک فلوس متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ان کی تعیین صرف قبضے ہی سے ہوسکتی ہے[۱]۔ لہٰذا جن فلوس پر عقد ہوا، مگر ان پر قبضہ نہیں ہوا تو وہ متعین نہیں ہوسکے، بلکہ ہر فریق کے ذمے دین ہوگئے، اور یہ دین کی بیع دین سے ہوگی، جو "بیع الکالی بالکالی" ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔

مندرجہ بالا حکم تو اس صورت میں ہے جب نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ برابر سرابر کرکے کیا جائے، اور اگر کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کیا جائے، مثلاً ایک روپیہ کا دو روپے سے یا ایک ریال کا دو ریال سے، یا ایک ڈالر کا دو ڈالر سے تبادلہ کیا جائے تو اس صورت کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں فقہاء کا وہی مشہور اختلاف پیش آئیگا، جو فلوس کے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے بارے میں معروف ہے، وہ یہ کہ:۔

بعض فقہاء کے نزدیک ایک فلس (پیسے) کا تبادلہ دو فلسوں سے شرعاً سود ہونے کی بنا پر حرام ہے، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، اور حنابلہ کا مشہور مسلک بھی یہی ہے اور اگر دونوں طرف کے فلوس غیر متعین ہوں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک بھی یہ تبادلہ حرام ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تبادلہ اس لئے حرام ہے کہ ان کے نزدیک کسی معاملے میں ادھار اور کمی زیادتی کے حرام ہونے کی علت "ثمنیت" (کیش، نقدی، اور کرنسی ہونا) ہے، چاہے حقیقی ثمنیت ہو جیسے سونے چاندی میں ہوتی ہے، یا عرفی اور اصطلاحی ثمنیت ہو، جیسے سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کے سکّے اور کاغذی نوٹ میں ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی عقد میں دونوں طرف ایک ہی قسم کا ثمن (کرنسی، نقدی، کیش) ہو۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عقد میں نہ تو کمی زیادتی جائز ہے اور نہ ادھار جائز ہے، چنانچہ "المدونۃ الکبریٰ" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[۱] الدر المختار مع رد المحتار، ج ۴ ص ۱۸۴۔ [۲] مطلب یہ کہ اگر عقد کچھ متعین روپوں پر ہوا ہو اور کوئی فریق ان روپیوں کے بجائے اتنی ہی مالیت کے دوسرے روپے دیدے تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔ ہاں جب دوسرا فریق ان پر قبضہ کرلے تو پھر پہلا فریق اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا کہ نوٹ مجھے واپس کردو، میں ان کے بدلے دوسرے دیتا ہوں (تقی)

"ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود، حتى يكون لها سكة وعين للكرهتها أن تباع بالذهب والورق نظرة .... لأن مالكا قال: لا يجوز فلس بفلسين. ولا تجوز الفلوس بالذهب ولا بالدنانير نظرة." [1]

یعنی اگر لوگوں کے درمیان چمڑے کے ذریعہ خرید و فروخت کا اس قدر رواج پاجائے کہ وہ چمڑا ثمن اور سکّہ کی حیثیت اختیار کر جائے تو اس صورت میں میرے نزدیک سونے چاندی کے ذریعہ اس چمڑے کو ادھار فروخت کرنا جائز نہیں، چنانچہ .... چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک فلس کی دو فلسوں کے ساتھ بیع اور تبادلہ جائز نہیں، اسی طرح سونا چاندی اور درہم اور دینار کے ذریعہ بھی فلوس کی ادھار بیع جائز نہیں۔ (اس لئے کہ سونا، چاندی، درہم اور دینار میں حقیقی ثمنیت موجود ہے۔ اور سکوں میں اصطلاحی ثمنیت موجود ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثمنیت کے ہوتے ہوئے اگر اجناس مختلف ہوں تب بھی ادھار ناجائز ہے)۔

جہاں تک [2] حنفیہ کا تعلق ہے، ان کے نزدیک حرمت ربا کی علت ثمنیت کے بجائے "وزن"

---

[1] المدونۃ الکبریٰ للامام مالکؒ جلد ۷، ص ۱۰۴۔ [2] حنفیہ کا موقف یہاں فقہی اصطلاحات میں بیان کیا گیا ہے۔ جسے عام فہم عبارت میں لانا مشکل ہے۔ تاہم خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ہم جنس چیزوں کے تبادلے میں اگر ایک چیز کے مقابل کوئی عوض نہ ہو تو وہ سُود ہے، عام اشیاء میں تو یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف تعداد اور کمیت کی زیادتی ہو تو دوسری طرف کیفیت اور وصف کی زیادتی کو اس کے مقابل کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر ایک برتن دو برتنوں کے عوض بیچا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اُس ایک برتن میں وصف کی کوئی ایسی خوبی ہے جو دوسری جانب کے ایک برتن کے مقابل رکھی جا سکتی ہے، لہٰذا یہاں کوئی برتن عوض کے بغیر نہیں ہے۔ اور صورت حال کچھ یوں ہے کہ:

برتن ۱ کے مقابل برتن ۳ کی اصلیت

برتن ۲ کے مقابل برتن ۳ کی عمدگی کا وصف۔

لیکن یہ صورت وہیں ہو سکتی ہے جہاں کسی شے کے اوصاف معتبر ہوں، اور ان کی کوئی قیمت لگائی جا سکے۔ اس کے برخلاف جہاں اوصاف کا کوئی اعتبار ہی نہ ہو، بلکہ اعتبار صرف مقدار کا ہو، وہاں اوصاف کو کسی مقدار کے مقابلے میں نہیں لایا جا سکتا، چنانچہ جو چیز خلقی یا شرعی طور پر یا عُرفِ عام میں ثمن بن گئی، اُسمیں اوصاف کا اعتبار ختم ہو گیا، چنانچہ ایک روپیہ کا سکّہ یا نوٹ خواہ کتنا نیا اور چمکدار ہو، اسکی قیمت ایک ہی روپیہ رہیگی، اسی طرح وہ سکّہ یا نوٹ خواہ کتنا پرانا اور میلا کچیلا ہو جائے اسکی قیمت بھی ایک ہی روپیہ رہیگی۔ اگرچہ دونوں کے اوصاف میں فرق ہے، لیکن یہ فرق بازاری اصطلاح کے لحاظ سے کالعدم ہو چکا ہے۔ لہٰذا ایک میلا کچیلا روپیہ بھی چمکدار اور نئے روپے کے بالکل برابر سمجھا جاتا ہے۔ دونوں کی قیمت میں کوئی فرق نہیں۔

لہٰذا اگر ایک روپے کو دو روپے کے عوض فروخت کیا جائے تو یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک طرف جو روپیہ زائد ہے، وہ دوسری طرف کے روپے کے کسی وصف کے مقابل ہے، لہٰذا وہاں پر زائد روپیہ کو لازماً یہی کہنا پڑے گا کہ اس کے مقابل کوئی عوض موجود نہیں ہے۔ لہٰذا وہ سُود ہو گا۔ (تقی)

ہے، اور اگرچہ فلوس عددی ہیں اس لئے ان میں یہ علت موجود نہیں، لیکن فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ ہم قیمت فلوس بازاری اصطلاح کے مطابق بالکل برابر اور قطعی طور پر مساوی اکائیاں ہوتی ہیں، کیونکہ لوگوں کی اصطلاح نے ان کی جودت و ردائت (عمدگی اور کہنگی) کا اعتبار ختم کردیا ہے۔ لہٰذا اگر ایک اکائی کو دو اکائیوں سے فروخت کیا جائیگا، تو دو میں سے ایک اکائی بغیر کسی عوض کے رہ جائیگی، اور یہ عوض سے خالی رہ جانا عقد میں مشروط ہوگا، لہٰذا اس سے ربا لازم آجائیگا۔ لیکن یہ حکم اس وقت تک ہے جبتک کہ اُن فلوس کی ثمنیت باقی رہے، اور وہ متعین کرنے سے متعین نہ ہوں۔

اب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سکے ثمن اصطلاحی بن کر رائج ہوچکے ہیں تو جب تک تمام لوگ اسکی ثمنیت کو باطل قرار نہ دیں، اس وقت تک صرف متعاقدین (بائع اور مشتری) کے باطل کرنے سے اسکی ثمنیت باطل نہ ہوگی۔ جب ثمنیت باطل نہیں ہوئی تو وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہونگے، لہٰذا ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ جائز نہ ہوگا۔ خواہ متعاقدین (بائع اور مشتری) نے انہیں اپنی حد تک معین ہی کیوں نہ کرلیا ہو۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ سکے خلقی ثمن نہیں ہیں۔ بلکہ اصطلاحی اثمان ہیں۔ اس لئے متعاقدین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے درمیان اس اصطلاح کو ختم کرتے ہوئے ان سکوں کی تعیین کے ذریعہ ان کی ثمنیت کو باطل کردیں۔ اس صورت میں یہ سکے عروض اور سامان کے حکم میں ہوجائیں گے، لہٰذا ان میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہوگا۔ [۱]

رہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سو ان کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں:-

ایک یہ کہ ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ جائز ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک حرمت ربا کی علت "وزن" ہے، اور سکوں کے عددی ہونے کی وجہ سے یہ علت ان میں موجود نہیں جب علت موجود نہیں تو حرمت کا حکم بھی نہیں لگے گا۔

دوسرے یہ کہ سکوں کا اس طرح تبادلہ کرنا جائز نہیں، اس لئے یہ سکے فی الحال اگرچہ عددی ہیں۔ لیکن اصل میں دھات ہونے کی بناء پر وزنی ہیں۔ اور دھات کو سکوں میں تبدیل کرنے سے ان کی اصلیت باطل نہیں ہوگی۔ جس طرح روئی اگرچہ عددی ہیں۔ لیکن اصلیت کے اعتبار سے آٹا ہونے کی بنا پر کیلی یا وزنی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:-

ان اختیار القاضی أن ما کان یقصد وزنہ بعد عملہ کالإسطال. ففیہ الربا. وما لا فلا. [۲]	کسی دھات سے کوئی چیز بنانے کے بعد بھی اگر اس میں وزن کا اعتبار کیا جاتا ہو تو اس میں کمی زیادتی سے بیع کرنا سود ہونے کی بنا پر حرام ہے۔ جیسے تانبے، پیتل اور اسٹیل کے برتن (اسلئے کہ یہ چیزیں بازار میں وزن کرکے بیچی جاتی ہیں) اور اگر وزن کا اعتبار نہ کیا جائے تو سود نہیں۔

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے: العنایہ حاشیہ فتح القدیر۔ جلد ۵ ص ۲۸۷۔ [۲] المغنی لابن قدامہ، مع الشرح الکبیر جلد ۴، ص ۱۲۸، ۱۲۹، و فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۲۹ ص ۴۶۰۔

اس اصول کا تقاضہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کاغذی نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ جائز ہو۔ اس لئے کہ کاغذی نوٹ اصلاً وزنی نہیں ہیں بخلاف فلوس کے کہ وہ اصلاً وزنی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دوسرے بعض فقہاء کے نزدیک ایک سکّے کا دو سکّوں سے تبادلہ مطلقاً جائز ہے۔ بلکہ سکّوں کے تبادلے میں ہر قسم کی کمی زیادتی جائز ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ ان کے نزدیک حرمت ربا کی علّت اصلی اور خلقی ثمنیت ہے۔ جو صرف سونے چاندی میں پائی جاتی ہے۔ اور سکّوں میں صرف عرفی ثمنیت موجود ہے۔ خلقی ثمنیت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک فلوس کا تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ بالکل جائز ہے[1]

اور جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک بھی اگر متعاقدین ان سکّوں کو متعین کر دیں۔ تو متعین کرنے سے ان کی ثمنیت باطل ہو کر وہ عروض اور سامان کے حکم میں ہو جائیں گے۔ اس صورت میں ایک فلس کا تبادلہ دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے۔

اس مسئلہ میں راجح اور مفتی بہ قول

مندرجہ بالا اختلاف کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب سونے چاندی کو تمام اثمان کا معیار قرار دیا ہوا تھا۔ اور سونے چاندی سے تبادلے کا عام رواج تھا، اور تمام معاملات میں پوری آزادی کے ساتھ سونے چاندی کے سکّوں کے ذریعہ لین دین ہوا کرتا تھا اور دوسری دھات کے سکّے معمولی قسم کے تبادلے میں استعمال ہوتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں سونے چاندی کے سکّے نایاب ہو چکے ہیں۔ اور اس وقت دنیا میں کوئی ایسا ملک یا ایسا شہر نہیں ہے جس میں سونے چاندی کے سکّے رائج ہوں۔ اور تمام معاملات اور لین دین میں سونے چاندی کے سکّوں کے بجائے علامتی سکّے اور کرنسی نوٹ رائج ہیں جیسا کہ اس مقالے کے آغاز میں ہم نے بتایا ہے۔

لہٰذا میری رائے میں موجودہ دور کی علامتی کرنسی نوٹ کے تبادلہ کے مسئلہ میں امام مالکؒ یا امام محمدؒ کا قول اختیار کرنا مناسب ہے۔ اس لئے کہ امام شافعیؒ یا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اختیار کرنے سے سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائیگا۔ اور ہر سودی کاروبار اور لین دین کو اس مسئلہ کی آڑ بنا کر اسے جائز کر دیا جائیگا۔ چنانچہ اگر قرض دینے والا اپنے قرض کے بدلے سود لینا چاہے گا تو وہ اس طرح سے بآسانی لے سکے گا کہ قرض دار کو اپنے کرنسی نوٹ زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا۔ اس طرح وہ اپنے قرض کے بدلے سود حاصل کر لیگا۔

غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ فقہاء جنہوں نے ایک سکّے کے دو سکّوں سے تبادلہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ہمارے موجودہ دور میں باحیات ہوتے، اور کرنسی کی تبدیلی کا مشاہدہ کرتے، تو وہ ضرور اس معاملے کی حرمت کا فتویٰ دیتے، جسکی تائید بعض متقدمین فقہاء کے قول سے ہوتی ہے۔ چنانچہ

[1] نہایۃ المحتاج للرملی، جلد ۳، ص ۴۱۸۔ وتحفۃ المحتاج لابن حجر مع حاشیۃ للشروانی، جلد ۴ ص ۲۷۹۔

ماوراء النہر کے فقہاء عدالی اور غطارفہ میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کو حرام قرار دیتے تھے[1] ایسے سکّوں کے بارے میں حنفیہ کا اصل مذہب کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے جواز کا تھا۔ کیونکہ ان سکّوں میں کھوٹ غالب ہونے کی وجہ سے وہاں چاندی اور کھوٹ میں سے ہر ایک کو مخالف جنس کا عوض قرار دینے کی گنجائش موجود تھی۔ (گویا کہ چاندی کا تبادلہ کھوٹ سے اور کھوٹ کا تبادلہ چاندی سے ہوتا تھا۔ اور یہ تبادلہ خلاف جنس سے ہونے کی بنا پر جائز تھا) لیکن ماوراء النہر کے مشائخ حنفیہ نے ان کھوٹے سکّوں میں بھی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کو ناجائز قرار دیا۔ اور اس کی علت یہ بیان کی کہ :-

إنها أعز الأموال في ديارنا	ہمارے شہر میں ان سکّوں کو بھی بہت معزز مال سمجھا
فلو أبيح التفاضل فيه ينفتح	جاتا ہے، اسلئے ان میں کمی زیادتی کو جائز قرار دینے
باب الربا۔[2]	سے سود کا دروازہ کھل جائیگا۔

پھر اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا موازنہ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول سے کیا جائے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بھی بہت مضبوط اور راجح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ان سکّوں کی ثمنیت ختم کرنے کے بعد ہی کمی زیادتی کی ساتھ تبادلے کے جواز کا حکم دیا جاتا ہے۔ جب کہ سکّوں کی ثمنیت ختم کرنے کا کوئی صحیح مقصد سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اس لئے کہ شاذ و نادر ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جس کے نزدیک سکّوں کے حصول سے مقصد اسکی ثمنیت نہ ہو۔ بلکہ ان سکّوں کی اصل دھات تانبا، پیتل اور لوہا مقصود ہو، سکّوں کے حصول سے ہر شخص کی غرض اسکی ثمنیت ہوتی ہے۔ (تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنی ضروریات خرید سکے۔ نہ یہ کہ اس سکّے کو پگھلا کر کوئی دوسری چیز بنائے) لہٰذا اگر متعاقدین (بائع اور مشتری) سکّے کی ثمنیت ختم کرنے پر مصالحت کرلیں تو اس مصالحت کو کمی زیادتی کے تبادلے کو جائز کرنے کے لئے ایک منگھڑت اور مصنوعی حیلہ کہا جائیگا جس کو شریعت قبول نہیں کر سکتی۔ خاص کر موجودہ دور میں اس قسم کے حیلوں کی شرعاً کہاں گنجائش ہو سکتی ہے۔ جبکہ سونے چاندی کے حقیقی اور خلقی سکّوں کا پوری دنیا میں کہیں وجود نہیں ہے اور سود صرف ان مروجہ علامتی نوٹوں ہی میں پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ سونے چاندی کے نقود نایاب ہوتے ہوتے دنیا بھر سے مفقود ہو چکے ہیں۔

ہاں! امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول پر عمل ان فلوس میں متصور ہو سکتا ہے۔ جو بذات خود بحیثیت مادہ کے مقصود ہوں، جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ مختلف ممالک کے سکّے اور کرنسی نوٹ اپنے پاس جمع کرتے ہیں، اس جمع کرنے سے ان کا مقصد تبادلہ یا بیع یا اس کے ذریعہ منافع حاصل کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف تاریخی یادگار کے طور پر جمع کرتے ہیں۔ تاکہ آئندہ زمانہ میں جب یہ کرنسی بند ہو جائے تو یہ کرنسی ان کے پاس یادگار کے طور پر باقی رہے۔ بظاہر اس قسم کی کرنسی میں ان دونوں حضرات کے قول پر عمل کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کو جائز کہنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، جہاں تک اس کرنسی کا تعلق ہے جس کے

---

[1] عدالی اور غطارفہ خاص قسم کے سکّے تھے جن میں چاندی بہت معمولی ہوتی تھی۔ اور باقی سب کھوٹ ہوتا تھا۔

[2] فتح القدیر، باب الصرف۔ جلد ۵ ص ٣٨٢

حصول کا مقصد تبادلہ اور بیع ہو اس کی ذات مقصود نہ ہو ایسی کرنسی کے معاملے میں نرمی برتنے سے سود کے حصول کا راستہ کھل جائیگا لہٰذا ایسی کرنسی کے تبادلے میں کمی زیادتی کو جائز قرار دینا درست نہیں واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بہر حال! موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں

پھر یہ برابری کرنسی نوٹوں کی تعداد اور گنتی کے لحاظ سے نہیں دیکھی جائیگی۔ بلکہ ان نوٹوں کی ظاہری قیمت کے اعتبار سے دیکھی جائیگی جو اس پر لکھی ہوتی ہے لہٰذا پچاس روپے کے ایک نوٹ کا تبادلہ دس دس روپے کے پانچ نوٹوں کے ذریعہ کرنا جائز ہے اس تبادلہ میں اگرچہ ایک طرف صرف ایک نوٹ ہے۔ اور دوسری طرف پانچ نوٹ ہیں۔ لیکن ظاہری قیمت کے لحاظ سے ان پانچ نوٹوں کے مجموعے کی قیمت پچاس روپے کے برابر ہے۔ اس لئے کہ یہ نوٹ اگرچہ عددی ہیں لیکن ان نوٹوں کے آپس میں تبادلہ اور بیع کرنے سے بذات خود وہ نوٹ یا ان کی تعداد مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف اسکی وہ ظاہری قیمت مقصود ہوتی ہے جسکی وہ نوٹ نمائندگی کرتا ہے۔ لہٰذا مساوات اس قیمت میں ہونی چاہیئے [1]

نوٹوں کے بارے میں یہ مسئلہ بعینہ فلوس کے سکوں کی طرح ہے۔ سکے اصلاً دھات کے ہونے کی وجہ سے وزنی ہیں۔ لیکن فقہاء نے ان کو عددی قرار دیا ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ ان فلوس کے حصول سے ان کی ذات یا دھات یا تعداد مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ قیمت مقصود ہوتی ہے جسکی وہ نمائندگی کرتے ہے۔ لہٰذا اگر کوئی بڑا سکہ جسکی قیمت دس فلس ہو۔ اس کا تبادلہ ایسے دس چھوٹے سکوں سے کرنا جائز ہے۔ جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک فلس ہے۔ اور اس کے وہ فقہاء بھی جواز کے قائل ہیں۔ جو ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ کو ناجائز کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں ایک سکے کی قیمت بعینہ وہی ہے جو دس سکوں کی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ دس فلس کا سکہ اگرچہ بظاہر ایک ہے لیکن حکماً وہ ایک ایک فلس کے دس سکے ہیں۔ لہٰذا وہ دس واقعی سکوں کے مساوی ہے۔ بعینہ یہی حکم ان کرنسی نوٹوں کا ہے۔ کہ ان میں بھی ظاہری عدد کا اعتبار نہیں۔ اُس عدد حکمی کا اعتبار ہے جو ان کی قیمت (Face value) سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی میں مساوات ضروری ہے۔

---

[1] یہی وجہ ہے کہ انسان کے لئے جتنی کشش ایک ہزار کے صرف ایک نوٹ کی طرف ہوگی۔ ایک ایک روپے کے سو نوٹوں کی طرف نہیں ہوگی۔ اگرچہ ایک ایک روپے کے سو نوٹ عدد کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ظاہری قیمت کے لحاظ سے ان سو نوٹوں کا مجموعہ ایک ہزار کی ایک نوٹ سے بھی دس گنا کم ہے۔ لہٰذا تبادلہ کے وقت ظاہری قیمت میں برابری کا اعتبار ہوگا۔

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ

پھر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایک ملک کے مختلف سکّے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں۔ اس لئے کہ، جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا تھا۔ موجودہ دور میں سکّے اور کرنسی نوٹوں سے ان کی ذات ان کا مادّہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ آج کے دور میں کرنسی قوت خرید کے ایک مخصوص معیار سے عبارت ہے۔ اور ہر ملک نے چونکہ الگ معیار مقرر کیا ہوا ہے۔ مثلاً پاکستان میں روپیہ، سعودی عرب میں ریال، امریکہ میں ڈالر، لہٰذا یہ معیار ملکوں کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ اس وجہ سے کہ ہر ملک کی کرنسی کی حیثیت کا تعین اس ملک کی قیمتوں کے اشاریہ اور اسکی درآمدات و برآمدات وغیرہ کی بنیاد پر ہوتا ہے اور کوئی ایسی مادی چیز موجود نہیں ہے جو ان مختلف معیارات کے درمیان کوئی پائیدار تناسب قائم رکھے۔ بلکہ ہر ملک کے اقتصادی حالات کے تغیر و اختلاف کی وجہ سے اس تناسب میں ہر روز بلکہ ہر گھنٹے تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا ان مختلف ممالک کی کرنسیوں کے درمیان کوئی ایسا پائیدار تعلق نہیں پایا جاتا جو ان سب کو جنس واحد بنادے۔

اس کے برخلاف ایک ہی ملک کی کرنسی اور سکّوں میں یہ بات نہیں اگرچہ مقدار کے لحاظ سے وہ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن اس اختلاف کا تناسب ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں۔ مثلاً پاکستانی روپیہ اور پیسہ، اگرچہ یہ دونوں مختلف قیمت کے حامل ہیں۔ لیکن دونوں کے درمیان جو ایک اور سو کی نسبت ہے (کہ ایک پیسہ ایک روپیہ کا سواں حصہ ہوتا ہے) روپیہ کی قیمت بڑھنے اور گھٹنے سے اس نسبت میں کوئی فرق واقع نہیں ہو بخلاف پاکستانی روپیہ اور سعودی ریال کے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ایسی معین نسبت موجود نہیں۔ جو ہر حال میں برقرار رہے۔ بلکہ ان کے درمیان نسبت ہر وقت بدلتی رہتی ہے [1]

لہٰذا جب ان کے درمیان کوئی ایسی معین نسبت جو جنس ایک کرنے کیلئے ضروری تھی نہیں پائی گئی تو تمام ممالک کی کرنسیاں آپس میں ایک دوسرے کے لئے مختلف الاجناس ہوگئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نام ان کے پیمانے ، اور ان سے بھنانے جانے والی اکائیاں (ریزگاری وغیرہ) بھی مختلف ہوتی ہیں۔

جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہوگئیں۔ تو ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بالاتفاق جائز ہے۔ لہٰذا ایک ریال کا تبادلہ ایک روپے سے بھی کرنا جائز ہے۔ پانچ روپے سے بھی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو اس لئے کہ جب ان کے نزدیک ایک ہی ملک کے

[1] کسی زمانہ میں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ اس وقت ایک ریال تین روپے کے برابر تھا۔ پھر ریال کی قیمت بڑھ جانے سے ایک اور چار کی نسبت ہوگئی تھی۔ اور اب تقریباً ایک اور پانچ کی نسبت ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کرنسیوں کے درمیان ایسی کوئی معین نسبت موجود نہیں ہے۔ جو ہمیشہ ایک حالت پر برقرار رہے۔ بالکل یہی حال دنیا کے ہر دو ملکوں کی مختلف کرنسیوں کا ہے۔ (مترجم)

سکے کا تبادلہ دو سکوں سے کرنا جائز ہے. تو مختلف ممالک کے سکوں کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا. اور حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے. جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا. اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کرنسی اگرچہ اموال ربویہ میں سے ہے. لیکن اموال ربویہ میں جب جنس بدل جائے تو ان کے نزدیک بھی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے. اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک ایک فلس کا دو فلسوں سے تبادلہ اس لئے ناجائز تھا کہ وہ سکے آپس میں بالکل برابر اور ہم مثل تھے. جس کی بنا پر تبادلہ کے وقت ایک سکہ بغیر عوض کے خالی رہ جاتا تھا. لیکن مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہونے کی بنا پر ہم مثل اور برابر نہ رہیں. اس لئے ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے وقت کرنسی کے کسی حصہ کو خالی عن العوض نہیں کہا جائیگا اور جب خالی عن العوض نہیں تو کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بھی جائز ہے.

لہٰذا ایک سعودی ریال کا تبادلہ ایک سے زائد پاکستانی روپیوں سے کرنا جائز ہے.

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ بعض اوقات حکومت مختلف کرنسیوں کی قیمت مقرر کر دیتی ہے. مثلاً اگر حکومت پاکستان ایک ریال کی قیمت چار روپے. اور ایک ڈالر کی قیمت پندرہ ۱۵ روپے مقرر کر دے تو کیا اس صورت میں حکومت کی مقرر کردہ قیمت کی مخالفت کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہے؟ مثلاً کوئی شخص ایک ڈالر بجائے ۱۵ روپے کے بیس روپے میں بیچدے تو اس زیادتی کو سود کہا جائیگا یا نہیں؟ میرے نزدیک حکومت کے مقرر کردہ بھاؤ کی مخالفت کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنے میں سود لازم نہیں آئیگا. اس لئے کہ دونوں کرنسیاں جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں. اور مختلف الاجناس کے تبادلہ میں کمی زیادتی جائز ہے، اور اس کمی زیادتی کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ یہ فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے جس کی تفصیل ہم نے پیچھے عرض کر دی. البتہ اس پر "تسعیر[۱]" کے احکام جاری ہوں گے. لہٰذا جن فقہاء کے نزدیک اشیاء میں تسعیر جائز ہے کرنسی میں بھی جائز ہو . اور لوگوں کے لیئے اس حکم کی مخالفت درست نہ ہوگی. ایک تو اس لئے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہوں ان میں حکومت کی اطاعت واجب ہے[۲]. دوسرے اس لئے کہ جو شخص جس ملک میں قیام پذیر ہوتا ہے[۳] وہ قولاً یا عملاً اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک اس ملک کے قوانین کسی گناہ کرنے پر مجبور نہیں کریں گے وہ ان قوانین کی ضرور پابندی کریگا[۳]. لہٰذا ان قواعد کے پیش نظر اس کے لئے حکومت کے اس حکم کی مخالفت کرنا نہیں چاہیئے. لیکن دوسری طرف اس زیادتی کو سود کہہ کر حرام کہنا بھی درست نہیں.

---

[۱] تسعیر حکومت کی طرف سے کسی چیز کا بھاؤ مقرر کرنے کو کہتے ہیں، تاکہ لوگ اس سے زیادہ قیمت پر اشیاء فروخت نہ کریں [۲] کئی فقہاء نے اس قاعدہ کی تصریح فرمائی ہے. دیکھیئے؛ شرح السیر الکبیر للسرخسی جلد ۱ ص ۹۶. رد المحتار باب العیدین. جلد اول ص ۷۸۰، وباب الاستقاء، جلد ایک ص ۷۹۲، وکتاب الحظر والاباحہ. جلد ۵ ص ۲۷۰

[۳] احکام القرآن؛ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جلد ۵ ص ۴۳ .

بغیر قبضہ کے کرنسی کا تبادلہ

پھر ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کے درمیان تبادلے کے وقت اگرچہ کمی زیادتی تو جائز نہیں، لیکن یہ "بیع صرف" بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کرنسی نوٹ خلقۃً ثمن نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہیں، اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونے چاندی) میں جاری ہوتے ہیں۔ اس لئے مجلس عقد میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک کم از کم ایک طرف سے قبضہ پایا جانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر یہ معاملہ درست نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ان دونوں اماموں کے نزدیک سکے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔ اور تعین بغیر قبضے کے نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر بغیر قبضہ کے متعاقدین جُدا ہو گئے تو ان کی جدائی اس حالت میں ہو گی کہ ہر فریق کے ذمے دوسرے کا دین ہو گا (اور بیع الدین بالدین لازم آجائیگی) جو جائز نہیں ہے[1]۔ البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ اثمان متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔ ان کی تعیین کے لئے قبضہ کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ان حضرات کے نزدیک اگر کسی ایک فریق نے بھی نوٹ متعین کر دیئے کہ معاملہ خاص انہی نوٹوں پر ہوا ہے تو قبضہ عقد کی صحت کے لئے شرط نہیں ہو گا[2]۔

اب سوال یہ ہے کہ کرنسی کا ادھار معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ تاجروں اور عام لوگوں میں اس کا رواج ہے کہ وہ ایک ملک کی کرنسی دوسرے شخص کو اس شرط پر دیدیتے ہیں کہ تم اس کے بدلے میں اتنی مدت کے بعد فلاں ملک کی کرنسی فلاں جگہ پر دینا۔ مثلاً زید عمرو کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال دے۔ اور یہ کہے کہ تم اس کے بدلے مجھے پاکستان میں چار ہزار پاکستانی روپے دیدینا۔ تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اثمان کی بیع میں بیع کے وقت ثمن کا عقد کرنے والے کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا جب جنسیں مختلف ہوں تو ادھار کرنا جائز ہے۔ چنانچہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

واذا اشترى الرجل فلوسًا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع. فالبيع جائز لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود. وقد بينا أن حكم العقد في الثمن وجوبها ووجودها معًا، ولا يشترط

اگر کسی شخص نے دراہم کے بدلے فلوس خریدے، اور اس نے دراہم بائع کو دیدیئے لیکن بائع کے پاس اس وقت فلوس موجود نہیں تھے۔ تو یہ بیع درست ہو جائیگی اس لئے کہ مروجہ سکے ثمن کے حکم میں ہوتے ہیں۔ اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن پر عقد کرنے کا حکم یہ ہے کہ وہ ثمن (مشتری کے ذمے) واجب بھی ہو جائے، اور موجود

---

[1] الدر المختار مع رد المحتار، جلد ۴ ص ۱۸۳، ۱۸۴ [2] المغنی لابن قدامہ، باب الصرف، جلد ۴ ص ۱۶۹ ۔

فیا مہا فی ملک بائعہا لصحۃ العقد، کما لا یشترط ذلک فی الدراھم والدنانیر[1]

بھی ہو لیکن ثمن کا بائع کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں، جس طرح دراہم اور دینار کی بیع کے وقت ان کا ملک میں ہونا ضروری نہیں۔

لہٰذا اس صورت میں یہ بیع بثمن مؤجل ہو جائیگی۔ جو اختلاف جنس کی صورت میں جائز ہے۔

اور اس معاملے کو "بیع سلم" میں بھی داخل کر سکتے ہیں۔ اور اکثر فقہاء فلوس میں "بیع سلم" کو جائز بھی قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ سکے ایسے غیر متفاوت عددی ہیں۔ جو وزن اور صفت وغیرہ بیان کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو ایک فلس کی بیع دو فلسوں سے ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی سکوں میں "بیع سلم" جائز ہے[2]۔ اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی عددی اشیاء جن میں تفاوت اور نمایاں فرق نہ ہو۔ ان میں "بیع سلم" جائز ہے[3]۔

البتہ اس عقد کو "بیع سلم" میں داخل کرنے کی صورت میں ان شرائط کا لحاظ ضروری ہوگا جو مختلف فقہاء نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق "بیع سلم" کے جواز کے لئے لگائی ہیں۔ جو کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين۔

---

[1] مبسوط السرخسی، جلد ۱۴ ص ۲۴ [2] فتح القدیر، جلد ۵ ص ۳۲۰ [3] المغنی لابن قدامہ، جلد ۴ ص ۳۲۷۔

غیر مسلمین کے ساتھ موالات کا حکم

(استدراک)

(۲)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے: "اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کے نبیؐ اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ان کی (کفار و مشرکین کی) ولایت[11] کے بغیر متلازم ہے ان کی ولایت کا اثبات عدم ایمان کا موجب ہے کیونکہ لازم کا عدم ملزوم کے عدم کا بھی متقاضی ہے۔"[12]

چنانچہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ موالات پر اپنی خفگی و غضب اور ہمیشہ عذاب میں رہنے کی سزا مقرر فرمائی ہے یہ جان لو کہ ان کی ولایت سے کچھ حاصل نہ ہوگا مگر اس کو جو خود مومن نہ ہو۔ مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اس کی نازل کردہ کتاب پر اور اس کے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان کے ساتھ موالات نہیں رکھتے بلکہ ان کے ساتھ عداوت کا رویہ اختیار کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو آگاہ کرتے ہوئے۔ فرمایا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ	ترجمہ: جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان
يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ	کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے

---

[10] سورہ المائدہ ۸۰ تا ۸۲ پ ۶ [11] تفہیم القرآن ج ۱ صفحہ ۴۹۶ ۔ ۴۹۷ [12] ولایت کا لفظ عربی زبان میں حمایت، نصرت، مددگاری، پشتیبانی، دوستی قرابت، سرپرستی اور اس سے ملتے جلتے مفہومات کے لئے بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی بعض آیات جن میں کفار کے بجائے مومنوں کو اولیاء بنانے کا ترغیبی ذکر ملتا ہے ان کے سیاق و سباق کا مطالعہ کرنے سے بقول مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم "صریح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد وہ رشتہ ہے جو ایک ریاست کا اپنے شہریوں سے اور شہریوں کا اپنی ریاست سے اور خود شہریوں کا آپس میں ہوتا ہے۔" (تفہیم القرآن ج ۲ صفحہ ۱۶۱ حاشیہ ۵۰ مختصراً)

وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۔[۱۳]

دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔[۱۴]

دنیائے عرب کے مشہور اور جید عالم دین علامہ یوسف القرضاوی " مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ " کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :۔ اس سے مراد محض کفر کرنا نہیں ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ و جدل اور جارحانہ کارروائی کرنا ہے ۔" (الحلال الحرام فی الاسلام للقرضاوی)

○ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ[۱۵]

ترجمہ : اے ایمان والو اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے) اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھیگا سو ایسے لوگ بڑے (ظالم اور) نافرمان ہیں[۱۶] ۔

○ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

ترجمہ :۔ اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں اگر تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور (آگے اس کی وعید ہے کہ) جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست پر بھٹکے گا۔ اگر

---

[۱۳] سورۃ المجادلہ ۲۲ پ۲۸ [۱۴] اختصار شدہ بیان القرآن ص۲۹۳ [۱۵] سورۃ التوبہ ۲۳ پ۱۰ (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ کا دوسرا نام سورۃ البراءۃ بھی ہے' براءۃ اس لحاظ سے کہ اس کے آغاز میں مشرکین سے بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے : (تفہیم القرآن ج ۲ ص۱۶۶) [۱۶] اختصار شدہ بیان القرآن ص۱۸۱ ۔

سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۔ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ "[۱۸]	ان کو تم پر دسترس ہو جاوے تو (فوراً) اظہارِ عداوت کرنے لگیں اور (وہ اظہارِ عداوت یہ کہ) تم پر برائی کے ساتھ دست درازی کرنے لگیں (یہ دنیوی اضرار ہے) اور (دینی اضرار یہ کہ) وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر ہی ہو جاؤ۔"[۱۹]

ان آیات کے متعلق مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں: مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے اور ابن عباس مجاہد، قتادہ، عروہ بن زبیر وغیرہ حضرات کی متفقہ روایت بھی یہی ہے کہ ان آیات کا نزول اس وقت ہوا تھا جب مشرکین مکہ کے نام حضرت حاطب ابی بلتعہ کا خط پکڑا گیا تھا۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۲۲ حاشیہ ۱)

اور علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں کہ سورۃ الممتحنہ کی یہ آیت مشرکین مکہ کے ساتھ موالات رکھنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عملی طور پر جنگ کی اور مسلمانوں کو محض اس جرم کی پاداش میں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ واحد ہے ناحق ان کے گھروں سے بے گھر کیا تھا۔ ظاہر ہے ان حالات میں مشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے موالات کے تعلقات قطعاً جائز نہیں ہو سکتے تھے، مگر پھر بھی قطعاً ان سے تعلقات منقطع کرنے یا ان سے دوستی قائم ہونے کے امکان پر مایوسی کا اظہار نہیں کیا گیا بلکہ ذرا آگے اسی سورۃ کی آیت ۷ میں فرمایا گیا:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۚ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[۲۰]

یعنی اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے[۲۱] (الحلال والحرام فی الاسلام للقرضاوی)

سورۃ الممتحنہ کی اس آیت ۷ کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں: یعنی ان کو مسلمان کر دے جس سے عداوت متبدل بہ صداقت ہو جاوے، چنانچہ فتح مکہ کے روز بہت آدمی خوشی سے مسلمان ہو گئے الخ۔ (اختصار شدہ بیان القرآن ص ۴۹۸)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس آیت پر حاشیہ اس طرح مرتب فرمایا ہے۔ اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو اپنے کافر رشتہ داروں سے قطع تعلق کی جو تلقین کی گئی تھی اس پر سچے اہل ایمان

---

[۱۸] سورۃ الممتحنہ ۱، ۲ پ ۲۸ [۱۹] اختصار شدہ بیان القرآن ص ۴۹۶ [۲۰] سورۃ الممتحنہ، پ ۲۸ [۲۱] اختصار شدہ بیان القرآن ص ۴۹۸

اگرچہ بڑے صبر کے ساتھ عمل کر رہے تھے مگر اللہ کو معلوم تھا کہ اپنے ماں باپ بھائی بہنوں اور قریب ترین عزیزوں سے تعلق توڑ لینا کیسا سخت کام ہے اور اس سے اہل ایمان کے دلوں پر کیا کچھ گزر رہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ وہ وقت دور نہیں جب تمہارے یہی رشتہ دار مسلمان ہو جائیں گے اور آج کی دشمنی کل پھر محبت میں تبدیل ہو جائے گی الخ۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۳۲ حاشیہ ۱۱)

تقریباً یہی مضمون ترمذی اور بیہقی کی اس حدیث[۱۹] میں بیان ہوا ہے جس کا ذکر میں اپنے پہلے مضمون کی آخری سطور میں کر چکا ہوں۔

◯ وَلَا تَرْكَنُوٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ [۲۲]

ترجمہ: اور (اے مسلمانو) ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے اور (اس وقت) خدا کے سوا تمہارا کوئی (ولی پیر یا سرپرست) رفاقت کرنے والا نہ ہو پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو گی)[۲۳]

۵۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۵۱ اوپر بیان ہو چکی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ سے مزید فرمایا۔

(۱) اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ [۲۴]

ترجمہ: جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے کہدیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض (زیادہ) ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔[۲۵]

(۲) وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا [۲۶]

ترجمہ:۔ اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت کروں گا امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔[۲۷]

علما فرماتے ہیں: پس یہ براءت ہے اور یہ موالات ہے کہ جس کا معنی یہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جو ایک اللہ کی عبادت کے اثبات پر شامل ہے اور اس میں اُس باری تعالیٰ کے علاوہ دوسرے

---

[۱۹] ابغض بغیضک ھوناً ما عسی ان یکون حبیبک یوماً ما (رواہ الترمذی والبیہقی) یعنی اپنے دشمن سے بغض و عناد کر تو کم رکھو، ہو سکتا ہے کہ وہ (عدو) کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔ [۲۲] سورہ ہود ۱۱۳ پ ۱۲ [۲۳] اختصار شدہ بیان القرآن ص ۳۱۱ [۲۴] سورۃ الممتحنہ ۴ پ ۲۸ [۲۵] اختصار شدہ بیان القرآن ص ۴۹۱ ج ۲ [۲۶] سورہ مریم ۴۸ پ ۱۶ [۲۷] اختصار شدہ بیان القرآن ص ۲۶۸۔

تمام معبودوں کی نفی ہے۔ یہی اسلام کی حقیقت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت (طریقہ) ہے جس کی اتباع کا ہم سب کو حکم دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[۲۰]	ترجمہ :۔ پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یک سو ہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا[۲۱]

پس اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی یہ بعض آیات ہیں جو ظاہری طور پر دلالت کرتی ہیں واضح برہان اور بین حجت ہیں اس امر میں کہ جو مسلم کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو دوست رکھے یا ان کے شرک کا انکار نہ کرے یا ان کے افعال کی تحسین کرے یا ان کے کفر میں شک کرے تو وہ توحید اور اسلامی شریعت سے لاعلم اور خود بھی کافر ہے۔

کفار و مشرکین سے مشابہت کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں مثلاً حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم[۲۲]	ترجمہ: جو شخص کسی دوسری قوم کی مشابہت کرے پس وہ انہی میں سے ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں " اس حدیث سے کفار کے ساتھ مشابہت کی حرمت ثابت ہے " اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں " اس حدیث میں کفار کے ساتھ ان کے اقوال، ان کے افعال، ان کے لباس، ان کی عبادات اور ان کی عیدوں (تہواروں) وغیرہ کے طور طریقوں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے مشروع نہیں کیا ہے۔ کسی طرح کی مشابہت کی سخت ممانعت، تہدید اور وعید ہے۔

جہاں تک مشرکین کی بستیوں کی جانب سفر کرنے اور وہاں قیام کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پیش ہے۔

انا بری من کل مسلم یقیم بین ظهرانی المشرکین "	ترجمہ :۔ میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو "

اور سمرۃ بن جندبؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من جامع المشرك او سكن معه فانه مثله "	ترجمہ: جو شخص مشرک کے ساتھ اکٹھا ہو یا سکونت اختیار کرے تو وہ اسی جیسا ہے

شیخ سلیمان بن سمحان کا قول ہے کہ " ہر مسلمان پر کفار و مشرکین کی عداوت، ان سے بغض ان سے دوری اور مفارقت قلبی جسمانی اور زبانی طور پر کرنا واجب ہے "۔

شیخ عبداللہ سلیمان بن حمید رحمہ اللہ کے مذکورہ رسالہ کے یک ورقہ خلاصہ کا اردو ترجمہ اور

---

[۲۰] سورۃ النحل ۱۲۳، پ ۱۴ [۲۱] تفہیم القرآن پ ۱۴ [۲۲] مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۷۵

اس کی مختصر تشریح ختم ہوئی۔ ترجمہ و تشریح میں اس بات کی انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ جہاں قرآن کریم کی آیات آئی ہیں وہاں ان کے تراجم و تفاسیر برصغیر کے مشہور اور قابل اعتماد علمائے متاخرین کی تصانیف سے نقل کی جائیں۔ جہاں کوئی وضاحت طلب چیز نظر آئی اسے قوسین کے درمیان یا حواشی میں لکھ کر واضح کیا گیا ہے۔ تمام آیات کے حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے نیز بعض آیات جو رسالہ میں مختصراً مذکور تھیں لیکن قرآن کریم میں ان آیات کے پہلے یا بعد میں تسلسل کے ساتھ ایک ہی موضوع پر بحث کرتی دوسری آیات نظر آئیں ان کا اضافہ بھی افادۂ عام کے پیش نظر کر دیا گیا ہے۔

عبداللہ رحمہ اللہ نے رسالہ مذکور میں جو کچھ فرمایا وہ بلاشک و شبہ صد فی صد صحیح اور اسلامی تعلیمات کی مختصر لیکن بیحد جامع ترجمانی ہے۔ کفار و مشرکین کی اسلام اور اہل اسلام سے عداوت اور ان کی شرانگیزیوں کے باعث ان کے ساتھ ترک موالات کے جو دلائل قرآن کریم کی آیات، احادیث نبوی اور ائمہ کبار کے اقوال سے مرتب کئے گئے ہیں اُن پر کلام کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، اگرچہ اس سلسلہ میں علمائے سلف نے انتہائی شدت اختیار کی ہے لیکن پھر بھی اس پوری بحث میں کسی بھی مقام پر صراحۃً یا کنایۃً یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ کفار و مشرکین کی ذات قطعی طور پر خنزیر کی مانند ناپاک ہے یا ان کے ساتھ یا ان کے ہاتھ کی تیار کردہ یا ان کے برتن میں یا ان کی چھوئی ہوئی حلال اشیاء کے کھانے پینے کی شریعت میں ممانعت ہے کہ جس سے بقول ڈاکٹر اسرار صاحب " مسلمانوں کو احتیاط کرنی چاہیئے۔

غیر مسلمین (جن میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب حتی کہ لادین بھی شامل ہیں) سے مراسم کے متعلق اگر اسلامی تعلیمات کو اجمالی طور پر بیان کیا جائے تو اس سلسلہ میں سورۃ الممتحنہ کی آیات (۸، ۹) جامع اور مکمل دستور کی صورت رکھتی ہیں۔ اس دستور کے پہلے حصے میں اس غلط فہمی کہ " تمام غیر مسلمین حسن سلوک اور عدل و انصاف کے قطعاً مستحق نہیں ہیں " کا ازالہ کیا گیا ہے بلکہ اس میں ان غیر مسلم قوموں کے ساتھ جو اسلامی ریاست، اسلام اور خود مسلمانوں کی دشمن یا ان سے برسر جنگ نہیں ہیں ان کے ساتھ نہ صرف عدل و انصاف کرنے کی بلکہ حسن سلوک و رواداری کے ساتھ پیش آنے اور " بر " (یعنی ہر قسم کی صلاح و فلاح کی ترغیب بھی ملتی ہے۔ اسلام صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھنے سے منع کرتا ہے جو اسلامی ریاست، اسلام اور اہل اسلام کے خلاف محاذ آرا ہو کر ان کے خلاف بالفعل جارحیت و قوت کا استعمال کریں۔ چنانچہ دولۃ القطر کے ممتاز مصنف اور جید عالم دین علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں:

" اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ عدل و حسن و سلوک کرنے سے نہیں روکتا۔ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یہاں تک کہ وہ بُت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں وہاں وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتتا ہے۔ خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر الخ۔"

(الحلال والحرام فی الاسلام اردو ترجمہ ص۲۲۱ طبع بمبئی بار اول)

بہت ممکن ہے یہاں بعض لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھلائی، حسن سلوک اور رواداری کے مراسم کس طرح پیدا کئے جا سکتے ہیں جب کہ خود قرآن کریم میں کفار و مشرکین کو دوست

اور اپنا حلیف بنانے کی سخت ممانعت اور ایسا کرنے پر شدید وعید ہے جیسا کہ اوپر شیخ عبداللہ بن سلیمان بن حمید رحمہ اللہ کے رسالہ کے ترجمہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ یوسف القرضاوی نہایت واضح اور سلجھے ہوئے انداز میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں کا حکم علی الاطلاق نہیں ہے کہ ہر یہودی، نصرانی یا کافر پر اس کا اطلاق ہو۔ ورنہ یہ بات اُن آیتوں اور نصوص کے متناقض ہو گی جن میں خیر پسند لوگوں کے ساتھ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں دوستانہ تعلقات کو جائز قرار دیا گیا ہے۔" (الحلال والحرام فی الاسلام اردو ترجمہ صفحہ ۴۱۵۔۴۱۰)

اب قرآن کریم کا مقرر کردہ مکمل دستور ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

(الممتحنہ ۸۔۹ پ۲۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے۔ جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں) مدد کی ہو۔ اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا وہ ظالم اور گنہگار ہوں گے۔

(اختصار شدہ بیان القرآن صفحہ ۲۹۸)

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ "کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں موالات یعنی دوستی مدارات یعنی ظاہری خوش اخلاقی، مواساۃ یعنی احسان اور نفع رسانی، موالات تو کسی حال میں جائز نہیں ہے اور مدارات تینوں حالتوں میں درست ہے۔ ایک دفع ضرر کے واسطے دوسرے اس کافر کی مصلحت دینی توقع ہدایت کے واسطے، تیسرے اکرام ضیف کے لئے اور اپنی مصلحت و منفعت مال و جان کے لئے درست نہیں اور مواساۃ کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز (ہے)

(اختصار شدہ بیان القرآن صفحہ ۴۷ حاشیہ ۲)

سورۃ الممتحنہ کی آیات ۸ و ۹ کی شرح میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں: "اس مقام پر ایک شخص کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں کے ساتھ نیک برتاؤ تو خیر ٹھیک ہے مگر کیا انصاف بھی صرف انہی کے لئے مخصوص ہے؟ اور کیا دشمن، کافروں کے ساتھ بے انصافی

کرنی چاہیئے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سیاق و سباق میں دراصل انصاف ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ عداوت نہیں برتتا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ عداوت نہ برتو ۔ دشمن اور غیر دشمن کو ایک درجہ میں رکھنا اور دونوں سے ایک ہی سا سلوک کرنا انصاف نہیں ہے تمہیں ان لوگوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کا حق ہے جنہوں نے ایمان لانے کی پاداش میں تم پر ظلم توڑے اور تم کو وطن سے نکل جانے پر مجبور کیا اور نکلنے کے بعد بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑا ۔ مگر جن لوگوں نے اس ظلم میں کوئی حصہ نہیں لیا انصاف یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتے اور برادری کے لحاظ سے ان کے جو حقوق تم پر عائد ہوتے ہیں انہیں ادا کرنے میں کمی نہ کرو ۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۳۲ حاشیہ ۱۲)

ایک اور مقام پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم فرماتے ہیں ۔ (سورۃ الممتحنہ میں حاطب بن ابی بلتعہ کی) ایک شدید غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ کسی مومن کو کسی حال میں اور کسی غرض کے لئے بھی اسلام کے دشمن کافروں کے ساتھ محبت اور دوستی کا تعلق نہ رکھنا چاہیئے اور کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہیئے جو کفر و اسلام کی کشمکش میں کفار کے لئے مفید ہو ۔ البتہ جو کافر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عملاً دشمنی اور ایذا رسانی کا برتاؤ نہ کر رہے ہوں ان کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۲۱)

اس امر کی تائید میں ذخیرہ کتب احادیث میں ایک مشہور واقعہ مذکور ہے جو اس طرح ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات کے لئے مکہ سے ان کی کافرہ والدہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ مدینۃ المنورہ اپنے ساتھ بیٹی کے لئے کچھ تحائف لے کر پہنچیں تو حضرت اسماءؓ نے اپنی کافرہ والدہ سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ملاقات اور اُن کے ساتھ صلہ رحمی کی اجازت دی تو آپؓ نے ملاقات کی ۔ (مسند احمد و ابن جریر و ابن ابی حاتم عن عبداللہ بن زبیرؓ) ایک اور روایت میں یہی واقعہ خود حضرت اسماءؓ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اپنی کافرہ والدہ سے ملاقات کروں اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملاقات کی اجازت کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کے لئے بھی کہا ۔" (مسند احمد و بخاری و مسلم)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے یہ جملے ہی جویان حق کے لئے کافی ہیں ۔ " سابقہ آیات میں کفار سے جس ترک تعلقات کی ہدایت کی گئی تھی اس کے متعلق لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہو سکتی تھی کہ یہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے ان آیات میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ اس کی اصل وجہ ان کا کفر نہیں ۔ بلکہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی عداوت اور ان کی ظالمانہ روش ہے لہٰذا مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرنا چاہیئے اور ان کافروں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا چاہیئے جنہوں نے کبھی ان کے ساتھ کوئی برائی نہ کی ہو ۔" (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۳۴)

علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں "جن آیتوں میں موالات سے منع کیا گیا ہے ان کا تعلق دراصل ایسے لوگوں سے ہے جو اسلام کے دشمن اور مسلمانوں سے برسر جنگ ہوں۔ ان کی مدد اور پشت پناہی کرنا، انہیں رازدار بنانا اور ملی مفاد کے خلاف انہیں اپنا حلیف بنا کر ان کی قربت حاصل کرنا کسی مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے:

(الحلال والحرام فی الاسلام اردو ترجمہ صفحہ ۴۲۶ طبع بمبئی)

اس امر کی صراحت قرآن کریم کی بعض دوسری آیتوں میں بھی ملتی ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ " (آل عمران ۱۱۸-۱۱۹ پ۴)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو (اللہ) صاحب خصوصیت مت بناؤ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے، اگر تم عقل رکھتے ہو ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے۔" (اختصار شدہ بیان القرآن پ۴)

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم "صاحب خصوصیت" کی شرح میں فرماتے ہیں "یہاں جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت کی ممانعت فرمائی ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کو اپنا ہمراز بنایا جائے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے خاص امور انتظامی میں اس کو دخل دیا جائے (اختصار شدہ بیان القرآن صفحہ ۵۰)

بہتر ہے کہ یہاں غیر مسلمین کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں چند اور ضروری باتیں بھی واضح کرتا چلوں یعنی یہ کہ مسلمان خواہ کسی خطۂ ارض سے تعلق رکھتے ہوں دینی امور کے علاوہ تمام فنی و معاشرتی و صنعتی امور میں امن پسند اور بے ضرر غیر مسلمین کے ساتھ بلا تفریق اہل کتاب و غیر اہل کتاب تعاون کر سکتے اور ان سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں اسی طرح ان کے ساتھ رواداری، حسن معاشرت، بھلائی، عدل و انصاف اور تبادلۂ تحائف وغیرہ کے تعلقات رکھنا بھی جائز ہے۔

تاریخ اسلام کے عہد زریں میں غیر مسلمین مسلمانوں کے باہمی روابط کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے ہجرت کے موقع پر ایک مشرک عبداللہ بن اریقط سے رہبری کی خدمات لی تھیں (ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ حیوۃ محمد مصنفہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری صفحہ ۱۶۷ طبع امریکہ ۱۹۷۶ء) حالانکہ رہبری اور وہ بھی ان حالات میں کہ جن میں ہجرت کی گئی تھی سے زیادہ خطرناک اور نازک بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں صفوان بن امیہ نے شرکت کی تھی حالانکہ اس وقت وہ اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے اور ان کا شمار مشرکین میں ہوتا تھا۔

حنبلی مسلک کے فقیہ علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ: ایسے حالات میں کسی غیر مسلم شخص کا

تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کے بارے میں عام مسلمانوں کی رائے اچھی ہو۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۸ ص ۱۷)

ذخیرۂ احادیث میں بکثرت ایسی روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم بادشاہوں اور کفار کے تحائف قبول کئے اور خود بھی ان کو تحائف دیئے (بخاری، احمد، ترمذی وطبرانی وغیرہ میں یہ روایات تلاش کی جا سکتی ہیں)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر برصغیر کے بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں اس غیر اسلامی تصور نے کس طرح جگہ پائی تو اس کے دو ممکنات ہیں:

اوّل : وہ کہ جس کا ذکر راقم الحروف نے اپنے سابقہ مضمون "غیر اہل کتاب کے ساتھ کھانا کھانے کا مسئلہ" کے اختتام پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی گفتگو کی اخباری رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا ہے۔

دوم ، جو لوگ مختلف ادیان عالم کی تعلیمات، رسم و رواج، ان کے جداگانہ معاشرتی نظام اور ان کے مذاہب کی تاریخ پر نگاہ رکھتے ہیں ان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی مخصوص خطہ کے باشندوں کی اکثریت ایک عرصۂ قدیم سے جس نظام زندگی پر کاربند ہے یقیناً وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نظام زندگی کے اثرات اس خطہ کی اقلیت اور اس خطہ کے گرد و نواح کے باشندوں کے معمولات زندگی پر رفتہ رفتہ ضرور مرتب ہوتے ہیں خواہ وہ اثرات اپنی اصل ہیئت میں مرتب ہوں یا کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ۔ یہ متفقہ امر ہے کہ برصغیر کا قدیم ترین مذہب ہندویت (HINDUISM) ہے جس کے اصول و مبادی چار ویدوں (VEDAS) سے ماخوذ ہیں۔ اگر کسی ہندو برہمن کے رہن سہن کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ان کی مذہبی تعلیمات یا معاشرہ کے رسم و رواج کے مطابق کسی نچلی ذات (LOWER CASTE) سے تعلق رکھنے والے فرد کو اچھوت (UNTOUCHABLE) یا مجسم نجس سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اچھوت کسی اعلیٰ ذات (UPPER CASTE) کے فرد کا برتن، یا کھانا صرف چھونے یا اسے پکانے یا ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنا کھانا کھانے یا صرف ان کے کھانے پر اس اچھوت کا سایہ بھی پڑ جائے تو اعلیٰ ذات والے فرد کے لئے وہ کھانا اشُدھ (نجس و حرام) ہو جاتا ہے اس کے برخلاف اسلام ہر بنی آدم کو خواہ وہ کسی بھی مذہب اور کسی بھی علاقہ سے تعلق رکھتا ہو مجسم نجس نہیں بلکہ غیر مسلمین کو اعتقادی طور پر نجس مانتا ہے اور بجائے نفرت و تذلیل کے ہر انسان کا احترام اور اس کی تکریم کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم "یعنی ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا ہے۔" پس معلوم ہوا کہ چھوت چھات (UNTOUCHABLITY) کا نظریہ خالص برہمانہ فلسفہ دینیات (VEDIC THEO PHILOSOPHICAL THOUGHT) پر مبنی ہے جو کسی نہ کسی طرح برصغیر کے بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں رچ بس گیا ہے جس سے وہ لوگ یہ مطلب اخذ کر بیٹھے ہیں کہ کفار و مشرکین کے ہاتھ سے کوئی حلال چیز چھو جائے یا ان کے ہاتھوں پک جائے یا صرف ان کے ساتھ بیٹھ کر کھا لینے سے ہی وہ حلال چیز اشدھ (نجس و حرام) ہو جاتی ہے، خواہ اس کافر یا مشرک کے اعضائے ظاہرہ پر بظاہر کوئی غلاظت و نجاست موجود نہ ہو۔ یہاں ایک قابل غور نکتہ یہ ہے کہ کیا برصغیر کے ان بعض مسلمانوں پر، جن کے ذہنوں میں یہ غیر اسلامی نظریہ راسخ ہو چکا ہے، اس حدیث نبوی کا اطلاق نہیں ہوتا ہے "من تشبہ بقوم فھو منھم"۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وآلہ واصحابہ اجمعین

(دوسری قسط)

دوسری ہجرت :

اس دفعہ مشرکین نے پہلے سے زیادہ ستانا شروع کیا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی دوسری ہجرت میں مہاجرین کی تعداد اسی (۸۰) افراد سے زائد تھی[۱]۔ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی النجاشی ثمانین رجلاً انا وجعفر و ابو موسیٰ وابن هشام وعبد الله بن عرفطہ وعثمان بن مظعون و

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم اسّی افراد کو نجاشی (فرمانروائے حبشہ) کے پاس بھیجا، میں جعفر، ابوموسیٰ، ابن ہشام، عبداللہ بن عرفطہ اور عثمان بن مظعون وغیرہ تھے۔ اور قریش

---

[۱]: اس افواہ کے پھیلنے کا بعض مورخین نے یہ سبب بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم مکی شریف میں سورہ والنجم کی آخری آیات کی تلاوت فرما رہے تھے اور مشرکین مکہ بھی وہیں تھے۔ آپ افرءیتم اللات والعزّیٰ پڑھتے ہوئے اس سورہ کے مقام سجدہ پر پہنچے اور آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد سجدہ میں چلے گئے چونکہ پچھلی آیت میں لات اور عزّیٰ کا نام آیا تھا اس لئے مشرکین بھی حضور کے ساتھ سجدہ میں چلے گئے اور یہ بات مشہور ہوگئی کہ تمام مشرکین مکہ مسلمان ہوگئے ہیں۔

[۲]: فتح الباری ج ۷ ص ۱۸۹۔

بعثت قريش عمرو بن العاص و
عمارة بن الوليد بهدية فقدم على
النجاشي فلما دخلا سجدا له ثم
ابتدراه عن يمينه و عن
شماله ثم قالا له : ان نفراً من
بني عمنا نزلوا ارضك و رغبوا
عنا وعن ملتنا ، قال "فاين هم"؟
قال : "هم في ارضك" فابعث
اليهم ، فبعث اليهم ، فقال جعفر
انا خطيبكم اليوم فاتبعوه ، فسلم ولم
يسجد ، فقالوا له مالك لا تسجد
للملك ؟ قال أنا لا نسجد إلا الله
عزوجل قال ، و ماذاك ؟ قال ، ان
الله عزوجل بعث الينا رسوله
صلى الله عليه وسلم وامرنا أن
لا نسجد لاحد الا الله عزوجل
وامرنا بالصلوٰة والزكوٰة ، قال
عمرو بن العاص : فإنهم
يخالفونك في عيسىٰ بن مريم ، قال
ما تقولون في عيسىٰ بن مريم ، وامه؟
قال نقول كما قال الله عزوجل :
هو كلمة الله و روحه القاها
إلى العذراء البتول التي لم يمسها
بشر ولم يفرضها ولد ، قال : فرفع
عوداً من الارض ثم قال يا معشر الحبشة
القسيسين والرهبان والله مايزيدون
على الذي نقول فيه ما يسوى هذا ،
مرحباً بكم وبمن جئتم من عنده
اشهد أن رسول الله فانه الذي

نے عمرو بن العاص (جو اب تک اسلام نہ
لائے تھے) اور عمارۃ بن الولید کو ہدیہ دے کر
حبشہ بھیجا تو وہ دونوں نجاشی کے پاس آئے
جب اس کے پاس پہنچے تو اس کو سجدہ کیا۔ اور
دونوں جلدی جلدی کر کے ایک نجاشی کے
دائیں اور دوسرا بائیں بیٹھ گیا پھر اس سے کہا:
کہ بے شک کچھ قوم ہمارے چچازادوں میں
سے تمہارے ملک میں آگئی ہے جس نے ہمارے
مذہب کو چھوڑ دیا ہے، نجاشی نے پوچھا وہ
کہاں ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ آپ
کے وطن میں ہیں ان کو بلوانے کے لئے کسی کو
بھیجئے تو نجاشی نے ان کو بلوایا جب وہ آگئے
تو جعفر نے کہا کہ، آج کا خطیب میں ہوں
تو تمام مسلمانوں نے ان کی بات مان لی تو جعفر
نے بادشاہ کو سلام کیا لیکن سجدہ نہ کیا لوگوں نے
کہا کہ بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے انہوں
نے جواب دیا کہ ہم سوائے اللہ عزوجل کے کسی کو
سجدہ نہیں کرتے، انہوں نے پوچھا کیوں
نہیں کرتے؟ تو جعفرؓ نے فرمایا کہ بے شک
اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اپنے رسولؐ کو
بھیجا ہے اور ہمیں حکم دیا کہ کسی کے لئے سوائے
اللہ کے ہم سجدہ نہ کریں اور ہمیں نماز پڑھنے
اور زکوٰۃ دینے کا بھی حکم دیا، عمرو بن العاصؓ
نے کہا کہ یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) حضرت عیسیٰؑ
کے بارے میں تمہاری مخالفت کرتے ہیں
نجاشی نے کہا، تم لوگ عیسیٰؑ ابن مریم کے بارے
میں کیا کہتے ہو؟ جواب دیا کہ: ہمارا کہنا وہی
ہے جو اللہ کا فرمان ہے کہ وہ (عیسیٰؑ) اللہ
کی روح ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں، جس کو اللہ

نجد فى الانجيل وانه الرسول الذى
بشربه عيسىٰ بن مريم انزلوا حيث
شئتم، والله لولا ما انا فيه من
الملك لأتيته حتى أكون انا احمل
نعليه وأوضئه، وامر بهدية
الآخرين فردت اليهما۔ [1]

نے کنواری مریم (جس کو دنیا کی کوئی رغبت نہ تھی
اور جس کو کسی انسان نے نہ چھوا تھا) پر نازل کیا۔
نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا پھر کہا
اے حبشہ کی قوم، اے علماء و مشائخ و صوفیاء!
تم کیا کہتے ہو! مجھ کو تو جعفر نے جو کچھ کہا برا معلوم
نہیں ہوتا ہے اور حضرت جعفرؓ سے کہا مرحبا
ہے تم کو اور جو تمہارے ساتھ آئے ہیں۔ میں
گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور
یہ وہ ہی ہیں جن کو ہم انجیل میں پاتے ہیں اور
یہ وہ ہی رسول ہیں جس کی عیسیٰ ابن مریم نے
بشارت دی تھی تم لوگ جہاں چاہے رہو اور خدا
کی قسم اگر میں بادشاہ نہ ہوتا تو میں ان کے
(حضور صلی اللہ علیہ وسلم) پاس ضرور آتا اور ان
کے جوتے اٹھاتا اور ان کو وضو کراتا اور دوسرے
(یعنی مشرکین) لوگوں کے ہدیہ واپس کرنے کا حکم
دیا تو ان ہدیوں کو لوٹا دیا گیا۔

تیسری ہجرت:

ادھر مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد کے اضافہ کے ساتھ مصائب اور تکالیف میں بھی اضافہ ہونے لگا، یہاں تک کہ مشرکین مکہ کے خاص خاص لوگوں کے مباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے، تاکہ تمام مسلمانوں کا زور ٹوٹ جائے۔ چونکہ مشرکین مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ سے بے حد پریشان تھے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد کوئی فیصلہ کر کے اس پر عمل کیا جائے۔ ورنہ جب مسلمان زیادہ ہو جائیں گے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے، ان تمام وجوہ سے انہوں نے مسلمانوں کے مصائب میں بے حد اضافہ کر دیا۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ تاکہ بلا مزاحمت دین کے احکام ادا کر سکیں۔ چنانچہ جب جب صحابہ کرامؓ کو موقع ملا چھپ چھپا کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر لی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ

---

[1]: رواہ مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۱۸۵، حدیث ۲۴۰۴

کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

جب تمام مسلمانوں کے ہجرت کی خبر حبشہ پہنچی تو حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ چونکہ وہیں تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی ہمیشہ کے لئے مدینہ منورہ کو مأمن و مسکن بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اور ہجرت کر کے ایسے وقت مدینہ پہنچے کہ غزوۂ بدر بالکل تیار تھا۔ یہاں تک کہ اس میں شریک ہوئے اور جنت کی خوشخبری حاصل کی۔ اور بقیہ مہاجرینِ حبشہ میں سے تقریباً تیس سے زائد صحابہ کرام مکہ پہنچے[1]

ان تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تین ہجرتیں کرنے کی فضیلت حاصل ہے یہ وہ ہجرتیں ہیں جو آپؓ نے صرف اسلام کی خاطر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو ذو ھجراتٍ ثلاثۃٍ (یعنی تین ہجرتوں والے) کہا جاتا ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی فیرد علینا، فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا علیہ، فلم یرد علینا، فقلنا یارسول اللہ! انا کنا نسلم علیك فترد علینا؟ قال: "ان فی الصلوٰۃ شغلاً۔"[2] (رواہ البخاری)

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت نماز میں سلام کرتے تھے۔ تو آپؐ ہم کو جواب (جوابِ سلام) دیتے تھے لیکن جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے اور ہم نے بحالت نماز حضورؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے نماز میں جواب نہیں دیا، تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کو سلام کرتے تھے تو آپ ہمیں جواب دیتے تھے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔ (یعنی نماز کی مشغولیت کی وجہ سے اب نماز میں سلام کا جواب دینا جائز نہیں رہا۔

مواخات:

مہاجرین جب مکہ مکرمہ سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر مدینہ منورہ آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات (یعنی بھائی بنالینا) کا تعلق قائم کر دیا تھا۔

---

[1]:۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۰ فی تشریح حدیث ۳۸۷۵ ۔

[2]:۔ نقلہ فتح الباری ج ۷ ص ۱۸۸ ۔

انصاری صحابہؓ نے اس موقع پر ایثار کی عجیب و غریب مثالیں قائم فرمائیں۔ انصاری بھائی اپنے مہاجر بھائی کو اپنے تمام سامان کا آدھا حصہ دے دیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض انصاری صحابہؓ نے یہ بھی کیا کہ ان کے پاس دو بیویاں تھیں تو انہوں نے ایک کو طلاق دے کر دوسرے بھائی (مہاجر) کے نکاح میں دے دیا۔ [1]

کئی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے درمیان مواخات قائم فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت ابنِ مسعودؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے یہاں قیام کیا۔ [2]

آپؓ کے لئے مکان کا عطیہ :

جب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہجرت فرماکر مدینہ منورہ آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور آپؓ کے بھائی حضرت عتبہ بن مسعود کو رہائش کے لئے زمینیں عطا کی تھیں۔ جو مسجد نبوی سے متصل مسجد کی پشت پر واقع تھیں۔ اور بنو زہرة کے افراد کو بھی کچھ زمینیں عطا کی تھیں جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی زمین سے متصل تھیں اور آپؐ نے ان زمینوں کے درمیان حد بندی کردی تھی۔ [3]

ایک دفعہ بنی زہرة کے قبیلے کے کسی فرد نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہا کہ "اے ابنِ ام عبد ہم سے دور چلے جائیں (اور یہاں نہ رہیں) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں؟... کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ اس قوم کو برکت نہیں دیتا جو ضعیف کو اس کا حق نہ دے۔" [4]

ایک واقعہ :

حضرت ام موسیٰؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے

ع :- یہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی کینت تھی۔

---

[1] :- بخاری شریف باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار) نقلہ فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۲۔

[2] :- طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۱ و ص ۱۵۲۔

[3] :- طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۲۔ (بروایت عتبہ ابن مسعودؓ)

[4] :- طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۲۔ بروایت یحیٰ ابن جعدة (طبع فی بیروت)

سنا کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کو مسواک لانے کے لئے درخت پر چڑھنے کا حکم فرمایا، جب آپ چڑھے تو صحابہ کرام آپ کی پتلی پتلی پنڈلیوں کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ حضورؐ نے دیکھا تو فرمایا "تم ایسے شخص (یعنی ابن مسعودؓ) پر ہنستے ہو حالانکہ ان کی پنڈلیوں کا وزن قیامت کے دن میزانِ عدل پر جبل اُحد سے بھاری ہوگا۔ [1]

آپؓ کا لباس :

آپ کا لباس انتہائی سادہ لیکن نہایت ہی صاف ستھرا ہوا کرتا تھا۔ اور عموماً آپ سفید کپڑے پہنا کرتے تھے۔ حضرت نُفیع جو حضرت ابن مسعودؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ فرماتے ہیں [2]:

"کان عبد اللّٰہ ابن مسعود من اجود الناس ثوباً ابیض، من اطیب الناس ریحاً" عبداللہ ابن مسعودؓ لوگوں میں بہترین تھے۔ سفید کپڑوں کو پہننے کے اعتبار سے، اور اچھی خوشبو لگانے کے اعتبار سے ——

خوشبو کا شوق :

بہت سی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو خوشبو کا بہت شوق تھا۔ اور اگر کوئی آپ کو کسی وجہ سے نہ دیکھ سکتا تو وہ آپ کو آپ کے خوشبو لگانے کی وجہ سے پہچان لیا کرتا تھا —— حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "کان عبد اللّٰہ یعرف باللیل بریح الطیب" یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو رات میں خوشبو کے جھونکے کے سبب پہچان لیا جاتا تھا [3]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اہتمام :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے تقریر فرما رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ "بیٹھ جاؤ" حضرت ابن مسعودؓ اس وقت دروازہ تک پہنچے تھے انہوں نے جب یہ سنا تو اپنے آقا کی تعمیلِ ارشاد میں فوراً وہیں دروازہ پر بیٹھ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ابن مسعودؓ وہیں دروازہ پر بیٹھ گئے ہیں۔ تو آپؐ نے کہا "تعال یا عبد اللّٰہ بن مسعود" یعنی اے ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم آگے آجاؤ۔ [4] (رواہ ابوداؤد)

---

[1]:- طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۵ طبع بیروت۔

[2]:- طبقات ابن سعد ج ۳۔ ص ۱۵۷ [3] ایضاً
[4] مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۲۴

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی خدمات :

حضرت ابن مسعودؓ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی خصوصی خدمتیں آپ کے سپرد تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

کان عبد اللہ یلبس رسول اللہ نعلیہ ثم یمشی أمامہ بالعصا حتیٰ اذا اتی مجلسہ نزع نعلیہ فادخلھما فی ذراعیہ فأعطاہ العصا فاذا اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم البسہ نعلیہ ثم مشی بالعصا أمامہ حتیٰ یدخل الحجرۃ قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتے پہناتے، پھر عصا لے کر ان کے آگے چلتے۔ یہاں تک کہ جب مجلس آ جاتی تو دونوں جوتے اتار کر بغل میں دبا لیتے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے کھڑے ہونے کا ارادہ فرماتے تو آپ کو (آپؐ کے) دونوں جوتے پہناتے پھر عصا لے کر آپؐ کے آگے چلتے۔ یہاں تک کہ حجرۂ رسول میں حضورؐ سے پہلے داخل ہو جاتے۔

ابوالملیح نے اس پر اتنا اضافہ کیا ہے۔ آپؐ سو جاتے تھے تو نماز کے لئے بیدار کرنے کی خدمت ابن مسعودؓ کے سپرد تھی۔ اور جب آپؐ سفر میں تنہا ہوتے تو ہتھیار سے مسلح ہو کر آپؐ کے ساتھ رہتے۔ [2]

مسلم شریف کی ایک اور روایت ہے جس سے آپ سے آپؐ کے تقرب کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذنک علیّ أن ترفع الحجاب وان تستمع سوادی حتیٰ انھاک : [3] ــــــ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ (حجرہ کا) پردہ اٹھاؤ اور میری راز کی باتیں سنو یہاں تک کہ میں تمہیں منع نہ کر دوں؛

حضرت ابن مسعودؓ کی ان خدمات سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے۔ اسی لئے آپؐ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی اجازت دے دی تھی، کہ

---

[1]:۔ طبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ ص ۱۵۳ ۔

[2]:۔ "عبداللہ ابن مسعود اور ان کی فقہ" مطبع ندوۃ المصنفین (لاہور) ڈاکٹر حنیفہ رضی۔

[3]:۔ رواہ مسلم ۲: ۱۰۷۶ ونقلہ الامام احمد ابن حنبل فی مسندہ (ج ۵ ص ۲۵۲ طبع مصر)

میرے رازوں اور خاص خاص پوشیدہ باتوں کو تم پردہ اٹھا کر سن سکتے ہو جب تک کہ میں منع نہ کروں، انہی وجوہ کے پیش نظر آپؓ کو صاحبِ سوادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدار) بھی کہا جاتا ہے۔ ؎

اسی وجہ سے بعض حضرات جو نئے نئے مسلمان ہوئے تو جب وہ آپ کو اِس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے اندر باہر آتے جاتے دیکھتے تو وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے سمجھنے لگتے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب میں اپنے بھائی کے ہمراہ یمن سے مدینہ آیا تو شروع شروع میں میں یہ سمجھا کہ ابن مسعودؓ اہلِ بیت میں سے ہیں کیونکہ ابنِ مسعودؓ اور ابنِ مسعودؓ کی والدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر آتے جاتے دیکھ کر یہ شبہ ہوا کہ آپ اہلِ بیت میں سے ہیں ۔۔ ؎

(باقی آئندہ)

وضو کا اہتمام کمالِ ایمان کی نشانی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھی طرح جان لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے (اسی لئے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو) اور وضو کا پورا پورا اہتمام بس مؤمن بندہ ہی کر سکتا ہے۔

(مؤطا امام مالک، مسند احمد)

وضو کی محافظت و نگہداشت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ سنّت کے مطابق وضو کیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ ہر وقت باوضو رہے۔ بہرحال حضورؐ نے اس حدیث میں "محافظت علی الوضو" کو کمال ایمان کی نشانی فرمایا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبد الحکیم صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

شذرات

میاں تم اتنی دیر سے کیا سوچ رہے ہو۔ بھائی جان میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہم سب مسلمانوں کی مائیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ اور ماں کا بھائی ماموں ہوا کرتا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب مسلمانوں کے یعنی جو بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے ان کے ماموں ہوئے۔ ہاں جو مسلمان نہیں ان کے ماموں نہیں ہوں گے۔ یا جو مسلمان ان کو اپنا ماموں نہ مانے تو آپ ہی سمجھیں ورنہ تو ہمارے اور جملہ سادات کے وہ ماموں ہیں۔

اور ایک بات یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں اور یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں تو یہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی والدہ ہیں اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی نانی ہیں گویا یہ دونوں تمام سادات کی نانی ہوئیں اور حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما سارے سیّدوں کے نانا ہیں اور ہمارے اور سب مسلمانوں کے بھی نانا ہیں۔ اب جو آدمی اپنے نانا اور نانی کو کچھ کہے تو اس کی اصل میں کچھ مانو گے یا نہیں؟

اور یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اُمّ کلثوم جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دخترِ نیک اختر ہیں ان کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا ہے تو اس حیثیت سے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے داماد ہوئے پھر حضرت فاطمہ خاتونِ جنّت کے بھی داماد ہوئے اور حضرت حسنینؓ کے بہنوئی ہوئے

مگر جو آلِ رسول کے داماد اور بہنوئی کو بُرا کہدے تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ محب آلِ رسول کیسے ہوا؟
اور یہ غور کر رہا ہوں کہ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادیاں ہیں ان دونوں کا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا ہے اسی لئے ان کو ذوالنورین کہتے ہیں۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو اکہرے دامادِ رسول ہیں اور حضرت عثمانؓ دوہرے داماد ہیں تو فضیلت ڈبل کس کی ہوئی اور کون پہلے ہوا اور یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ یہ دونوں تمام مسلمانوں اور سادات کے بہنوئی ہوئے۔ دونوں بہنوئیوں کا احترام لازم ہے۔ مگر جو ایک کا کرے دوسرے کا نہ کرے تو درمیان میں کوئی چقلش معلوم ہوتی ہے تم سوچ لینا۔

اور یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ حضرت امام حسینؓ کی دختر حضرت سکینہ کی شادی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پوتے مصعب بن زبیر سے ہوئی تو اس رشتے سے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہم سب مسلمانوں کے جملہ سادات حسنین و علی اصغر و علی اکبر کے داماد اور بہنوئی ہوئے یا نہیں؟ کیا پھر کسی صحابی کی شان میں جو الفاظ استعمال کرے وہ خود ہی ہے کہ نہیں۔

اور یہ سوچ رہا ہوں کہ حضرت امام حسنؓ کی شادی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ صحابی کی بیٹی ام اسحٰق سے ہوئی تو اس رشتے سے حضرت طلحہ صحابی ہمارے اور جملہ سادات زین العابدین علی اصغر و علی اکبر سب کے نانا ہوئے۔ مگر صاحب یہ لوگ غضب کرتے ہیں یعنی حضرت علی و اولادِ علی کے رشتہ داروں پر تبرّہ کرنا اور پھر ان کا محب کہنا یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ ہٹاؤ اب کہاں تک سوچو گے۔ یہ تو معاملہ ہی کچھ اور معلوم ہوتا ہے۔ الیوں کو خدا سمجھے۔

ارے بھائی اس بحث کو چھوڑو ذرا حافظ شیرازی کا کلام سناؤ۔ ان کا بھی کیا کلام ہے حافظ صاحب فرماتے ہیں

وصفِ رخسارۂ خورشید زخفاش مپرس — کہ دریں آئینہ صاحب نظر حیرانند

ترجمہ: آفتاب کے چہرے کی تعریف چمگادڑ سے نہ پوچھ۔ کیونکہ اس آئینہ کو دیکھ دیکھ کر صاحب نظر بھی حیران ہیں۔

اسے یہاں حسنِ ازلی۔ اس مولائے کریم کی صفاتِ جلالی و جمالی کا ظہور کسی چمگادڑ یعنی کور باطن سے کیا پوچھتے ہو تمام دنیا ان کے جمال اور جلال کا مظہر ہے۔ یہ چاند ان کے جمال کا مظہر ہے آفتاب ان کے جلال کا مظہر ہے۔ جو اہل بصیرت ہیں وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ ؎ دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے" مگر صاحب یہ صفات ان کی لامحدود ہیں اس لئے جو اہل بصیرت ہیں وہ بھی حیرت میں ہیں۔ محترم حیرت سلوک کا ایک مقام ہے جب سالک وہاں پہنچتا ہے اور صفات خداوندی میں غور و فکر کرتا ہے تو بوجہ لاعلمی کے حیرت دامنگیر ہوتی ہے۔ اس کے بعد مقام فنا میں آجاتا ہے پھر وہ ان صفاتِ خداوندی کے مظہر اپنے آپ ہی کو دیکھتا ہے کہ ہمہ وقت کوئی نہ کوئی صفت خداوندی میرے اندر کار فرما ہے اسی کے حکم سے چلتا ہوں کھاتا ہوں پیتا ہوں یا یوں کہو کہ وہی کھلاتا ہے وہی پلاتا ہے وہی اٹھاتا ہے وہی جگا رہا ہے وہ سلا رہا ہے وہی گرمی سردی۔ شفا و صحت دے رہا ہے اس سے بندے کو صفات خداوندی کا پرتو حاصل رہتا ہے کہ وہی معطی ہے وہی مانع ہے وہی حفیظ ہے وہی قادر ہے وغیرہ

پس وہ اپنی ہستی کو ان صفات خداوندی میں فنا کر دیتا ہے کہ ہوالحق کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس کے باوجود
اس کو پورا پورا علم حاصل نہیں ہوتا اس لئے حیران و پریشان رہتا ہے گو صاحب نظر ہے مگر صاحب،
کون اس کی تہہ کو پہنچے؟ سوائے حیرانی کے اور کیا ملتا ہے؟

محدفِ عشق وگر از یار زہی لاف خلاف — عشقبازاں چنیں مستحق ہجر انند

ترجمہ:۔ قسم ہے عشق باز ہجر و فراق ہی کے قابل ہیں۔ پھر کہتے ہیں۔

جلوہ گاہ رُخِ او دیدۂ من تنہا نیست — ماہ و خورشید ہمیں آئینہ میگردانند

ترجمہ:۔ اس کے چہرے کا جلوہ گاہ صرف میری آنکھ ہی نہیں۔ چاند سورج بھی اسی آئینہ کو گردش دیتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ صرف میری آنکھوں ہی کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے کہ معشوقِ حقیقی کا جلوہ ان
میں نظر آتا ہے بلکہ چاند سورج بھی ان کا آئینہ ہے جن میں ان کا عکس جلوہ گری کر رہا ہے۔ سچ تو یہ ہے
کہ ذرہ ذرہ سے ان کی نشانی ظاہر ہو رہی ہے ؎

سارے سجدوں کا یہ کہنا ہے کہ مسجود ہے تو — پتہ پتہ یہی کہتا ہے کہ موجود ہے تو

ہاں ضرورت دیکھنے والی آنکھ کی ہے اور صرف آنکھ ہی نہیں کائنات کی ہر چیز شاہد ہے کہ
آ اور مجھے دیکھ کہ میں کس کی نشانی ہوں میرے پتے کس نے کاٹے اور پھل کس نے لادئے ہیں۔ ذرا اس
حجاب سے آگے آ اور ان کی صفات کا نظارہ کر لے لومڑی یہ کہتی ہے کہ اگر میرے ایسے پیر نہ ہوتے تو
میری زندگی بیکار تھی یہ کسی حکمت والے نے اپنی حکمت سے عطا کئے ہیں ہاتھی کہتا ہے یہ سونڈ نہ ہوتا
تو میرا زندہ رہنا ممکن نہ تھا مرغی کے تین پاؤں ہوتے انسان کے چار پاؤں ہو جاتے یا آپ ہی آپ
پاؤں چھوٹا ایک پاؤں بڑا بن جاتا تو کیا حال ہوتا یہ ہر چیز کی ساخت اور اس کے ماحول کی ہدایت کسی
حکیم کی حکمت ظاہر باہر کر رہی ہے ذرا آنکھ کھول کر دیکھ اور دل سے کہہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا
سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ مگر اس معرفت کے لئے فنا کی ضرورت ہے۔

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند — وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

ترجمہ:۔ کل صبح مجھے سحر کے وقت غصہ و غم سے نجات دیدی۔ اور اس رات کی اندھیری میں مجھے آبِ حیات پلا دیا
وقت سحر سے مراد چوبیس گھنٹے کے اندر ایک سہانا اور پسندیدہ وقت ہوتا ہے اس وقت خود بخود
فرحت حاصل ہوتی ہے اس لئے اس وقت سحر سے مراد وہ وقت ہے جب سالک کے قلب پر تجلیات
الٰہی کا فیضان ہوتا ہے اور غیر کی طرف سے اللہ کی طرف دھیان لگ جاتا ہے۔
غم و غصہ سے مراد وہ سعی اور کوشش ہے جو طالب کو اپنے مطلوب کے حاصل کرنے میں پیش
آتی ہے رات کی اندھیری سے مراد یہ ہے کہ وہ وقت بھی آتا ہے کہ جس میں جلوۂ نور صفات قلب میں
نہیں آتا جیسے رات کی تاریکی میں نظر نہیں آتا اس وقت سالک حیران و سرگردان ہوتا ہے کہ کدھر
جائے اور کیا کرے مگر رفتہ رفتہ ہر چیز منور ہو کر توحید کا راستہ کھل جاتا ہے یہی فنا ہے۔
آب حیات سے مراد بقا ہے جیسا کہ مشہور ہو گیا ہے کہ آب حیات ظلمات کے اندر ہے
اس ظلمات سے مراد وہی مقام حیرت و فنا ہے۔ اس کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی نے درخت دیکھا ہی نہ ہو اُسے درخت دیکھ کر دُور سے حیرت ہوگی اور حیرت اسی وقت ہوتی ہے جب ہمیں اس چیز کا علم نہ ہو مگر جوں جوں قریب اور اس درخت کا علم بڑھتا جاتا ہے۔ حیرت کم ہوتی جاتی ہے اور اس درخت کی شاخوں اور پتوں کا نقش ہمارے قلب پر نقش ہو جاتا ہے پھر اسے کاٹتے اور چکھتے ہیں تو اس کے اندرونی کیفیات کا علم ہوتا پھر اس کے خواص سے آگاہی ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اس درخت کی معرفت ہو جاتی ہے یہاں تک تو معرفت کا ذریعہ عقل ہے مگر ہمیں اس درخت کی اصل حقیقت کا پتہ نہیں چلتا بالآخر اس تصور میں گم ہو کر اوڑھنا بچھونا ہم خود درخت ہی ہو جاتے ہیں کہ سوائے اس فکر کے سارے فکر دل سے غائب ہو جاتے ہیں اس وقت ہماری ہستی جو درمیان میں ایک حجاب معرفت تھی اُٹھ جاتی ہے اس فکر میں اپنا بھی خیال نہیں رہتا یہی فنا کہلاتا ہے یہاں سے عشق شروع ہوتا ہے پھر اس کے اندر ڈوب جانے کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے یعنی خداوند تعالیٰ کی صفات قلب میں یقین کے درجے میں قائم دائم ہو جاتی ہیں کہ اس عالم میں سوائے ذات حق اور اس کی صفات کے اور کچھ ہے ہی نہیں ؎

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے — لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا هُوَ

حضرت حافظ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ پہلے اس نظر کو دنیوی آلائشوں سے پاک کرو پھر اس کی صفات کی معرفت کی طرف چلو جب تک نگاہ صاف نہ ہوگی بلکہ گدلی ہوگی تو آئینہ خواہ کتنا ہی صاف ہو نظر نہ آئے گا اسی کو کہتے ہیں۔

نظر پاک تواں در رخ جاناں دیدن — کہ در آئینہ نظر جز بصفا نتواں کرد
معشوق کے چہرے کو پاک نظر سے دیکھ سکتے ہیں — کیونکہ آئینہ میں نظر بغیر صفائی کے نہیں ہو سکتی

آخر میں کہتے ہیں۔

بجز ابروئے تو محراب دل حافظ نیست — طاعت غیر تو در مذہب ما نتواں کرد

سوائے تیرے ابرو کے حافظ کے دل میں اور کوئی جواب ہی نہیں ہے اور تیرے غیر کی طاعت ہمارے مذہب میں ممنوع ہے لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا هُوَ۔

آپ محراب جانتے ہیں یہ حرب سے اسم ظرف کا صیغہ ہے جس کے معنی ہوئے جائے حرب۔ یعنی جنگ اور لڑائی کرنے کی جگہ۔ یا ریہ تو مسجد میں ہوتی ہے۔ ہاں یہاں ایک ازلی دشمن سے جنگ ہوتی ہے جسے ابلیس کہتے ہیں وہ دنیا کی آلائشوں میں لے جانا چاہتا ہے اور عابد وہاں عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے شیطان کہتا ہے باہر چل عابد کہتا ہے اس سے بہتر اور جگہ کوئی نہیں ہے۔ یہی یا اسی قسم کی جنگ کی جگہ ہے اس لئے اسے محراب مسجد کہتے ہیں۔

حق تعالیٰ جل شانہ تو کوتاہ نظری ہماری کہ ان آنکھوں سے نظر نہیں آتے مگر ان کا حاضر و ناظر ہونے کی صفت تو متصور ہو سکتی ہے سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو یوں خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس طرح توحید میں مستغرق ہو کر۔

صرف ایک خدا کی عبادت کر بس ہمارا مذہب تو یہی ہے وللنعم ما قال .

حضرت عارفی یعنی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب صہبائے سخن میں فرماتے ہیں

ﷺ جب کبھی محویتوں میں ان کی کھو جاتا ہوں میں — اپنے آغوشِ تصور میں انہیں پاتا ہوں میں

ہاں جناب "جب کبھی" کو آپ نے سمجھ لیا یعنی آنے والا جو سماں ہے وہ دائمی نہیں ہے اور اسی کو وارد کہا کرتے ہیں جیسے مہمان آتا ہے چلا جاتا ہے اچھا میاں یہ محویت کو سمجھنا دیکھئے محو کہتے ہیں . مٹ جانے کو کہا کرتے ہیں کہ یہ بات میرے قلب سے محو ہو گئی تھی پھر یہ محویت کیا ہے ؟ میاں دونوں جہاں کو دل سے مٹا دیا جائے . یعنی ماسوی اللہ سے منقطع ہو جائے وتبتل الیہ تبتیلا . مطلب یہ ہے کہ اس تصور میں پہنچا کر دنیا کی ہر شئے عارضی اور فانی ہے کیا دنیا اور کیا اس کا وجود ایک سایہ ہے جو ڈھل جانے والا ہے . ابھی ہے ابھی نہیں . حکم ہے جو اس کا چل رہا ہے اس نے کہا ہو جا ہو گئی مٹ جا مٹ گئی اس لئے یہ سب مٹ جانے والی چیزیں ہیں ان سے ہٹ کر . یا اس تصور میں آکر پھر کھو جاتا ہوں برادرم آپ سمجھ گئے کھو جانا . ارے میاں کبھی کسی بچے سے سُنا ہوگا کہ ابا میں کھو گیا تھا . پھر تم مل گئے . تو جب کسی کو کچھ پتہ نہ چلے کہ اب کہاں جاؤں ، بس کھو گیا یہ دنیا تو فانی ہے بس میاں اس دنیا کے مٹ جانے اور اس کے فنا میں میں خود محو ہو جاتا ہوں حتیٰ کہ میرا وجود بھی نگاہ میں نہیں رہتا پھر دنیا کی کوئی راہ نہ رہی اس سے کوئی نگاہ نہ رہا مگر یہ سوچا کہ آخر اس کا فنا کرنے والا کون ہے جب یہ سب فانی ہے تو وہ کون ہے جو موجود ہے غیر فانی ہے دراصل لائق محبت اسی کی ذات ہے اس فانی کی محویت سے لافانی دل میں موجزن ہے ان کا تصور میرے تصور کی آغوش میں آچھٹکا . ہم نے بھی اسے آغوشِ تصور میں لیا اور یہ کہنا کتنا صحیح ہوا "آغوش تصور میں انہیں پاتا ہوں میں" وہ تو خود بخود ایسے آگئے جیسے پہلے ہی سے موجود تھے . مطلب یہ کہ دنیا سے تصور کو ہٹایا تو ان کو دل میں پایا . ماسوی اللہ سے دل کو ہٹالو انکو تو خود دل میں پالو گے .

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درا — تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درا

جب کبھی محویتوں میں ان کی کھو جاتا ہوں میں — اپنے آغوشِ محبت میں انہیں پاتا ہوں میں

آگے فرماتے ہیں

اب نہ منزل کی طلب ہے اور نہ منزل کا پتہ — ایک دھن ہے اور اسی دھن میں چلا جاتا ہوں میں

جب انسان ماسوی اللہ سے باہر ہو جاتا ہے اور خداوند قدوس کے تصور ذات و صفات میں پہنچ جاتا ہے تو ان کے ذات و صفات دونوں تصور انسانی سے بالاتر ہیں ورنہ انکی کوئی انتہا رہے جیسے اسکی ذات لامحدود ہے اسی طرح اس کی صفات بھی لامحدود ہیں . منزلیں تو محدود ہوا کرتی ہیں . نہ اسکی کوئی منزل ہے کہ جہاں جاکر ٹھہر جائے اور نہ منزل کی طلب ہو سکتی ہے کیونکہ وہاں کوئی منزل و مقام ہی نہیں ہے جہاں جاکر ٹھہر جائے بس ایک دھن ہے اور اسی دھن میں چلنا ہے . اور فنا ہو جانا ہے .

اب نہ منزل کی طلب ہے اور نہ منزل کا پتہ — ایک دھن ہے اور اسی دھن میں چلا جاتا ہوں میں

دل کش و خوشنما زیورات
کہکشاں جیولرز
درآمد برآمد کنندگان
۴-بی-آمنہ منیشن روڈ-لیاقت آباد-کراچی ۱۹
فون: 423754
421656—421186

ایصالِ ثواب کیلئے قرآن خوانی

کیا فرماتے ہیں علمائے اکرام اس مسئلہ میں کہ کسی مسلمان کے گھر میت ہو جائے تو مرحوم کے ایصالِ ثواب کیلئے قرآن خوانی جائز ہے کہ نہیں۔ ہمارے لوگوں میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کے گھر میت ہو جاتی ہے تو دوست احباب جو تعزیت کیلئے آتے ہیں ان کے لئے اگلے دن علاقہ کی کسی بھی مسجد میں قرآن خوانی کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ تعزیت کیلئے آنے والے ان اوقات میں آتے ہیں جس کا دل چاہتا ہے وہ ایک یا دو پارے پڑھ کر مرحوم کو ایصالِ ثواب کر دیتا ہے۔ بعض حضرات ایسے ہی بیٹھ کر چلے جاتے ہیں جس کا کوئی برا نہیں مانتا اس پورے عمل میں سوئم، چہلم، نمود و نمائش وغیرہ کا کوئی تصور نہیں ہوتا البتہ لوگوں کی معلومات کے لئے قرآن خوانی کے وقت اور جگہ کا اعلان کرنا پڑتا ہے ورنہ لوگوں کو پتہ کیسے چلے کہ کہاں آنا ہے۔ آیا صورتِ مسئولہ میں قرآن خوانی کا عمل اور اعلان جائز ہے۔ والسلام

محمد الیاس

الجواب ۷۸۶

آجکل ایصالِ ثواب کے لئے اجتماعی قرآن خوانی جس طرح رائج ہے وہ متعدد

مفاسد، قبائح اور منکرات پر مشتمل ہونے کی بنا، پر جائز نہیں ہے، اگر واقعۃً کوئی اجتماعی قرآن خوانی تمام منکرات و مفاسد سے خالی ہو کچھ مخلص احباب لوجہ اللہ تعالیٰ جمع ہو کر تلاوت کر کے ایصالِ ثواب کر دیں تو فی نفسہٖ مباح ہے چنانچہ سوال میں ذکر کردہ صورت بھی اس میں داخل ہے، لیکن ہوتا یوں ہے کہ شروع میں کچھ دنوں جواز و اباحت کا درجہ ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس میں کچھ منکرات شامل ہونے لگتے ہیں اور بالآخر وہ بدعت بن جاتی ہے۔ اس لئے بہتر اور اسلم یہی ہے کہ ہر شخص انفرادی طور پر کچھ تلاوت کر کے یا کوئی دوسرا کار خیر صدقہ وغیرہ کر کے مرحوم کو ثواب پہنچادیا کرے۔ واللہ اعلم۔

بندہ عبدالرؤف سکھروی
دار الافتاء۔ دارالعلوم کراچی ۱۴
نائب مفتی دارالعلوم کراچی ۱۴
۲۵ - ۷ - ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲۶ - ۷ - ۱۴۰۸ھ

حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ (مشکوٰۃ)

میری امت میں بدعت اور جہالت کا غلبہ ہو جائے تو اس وقت میری سنت پر عمل کرنے والے کو سو شہید کے برابر اجر ملے گا۔ !!!

(۲)

عورتوں کی نماز میں خاص فرق

① تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھ کندھے تک اٹھا دے لیکن ہاتھوں کو دوپٹہ سے باہر نہ نکالے۔

② سینے پر ہاتھ باندھے اور صرف داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھدے اور دونوں بازوؤں کو پہلو سے خوب ملائے رہے اور دونوں پیر کے ٹخنوں کو بالکل ملا دیوے۔

③ سجدہ میں عورتیں پاؤں نہ کھڑے کریں بلکہ داہنی طرف کو نکالدیں اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کریں کہ پیٹ دونوں رانوں سے اور باہیں دونوں پہلو سے ملا دے اور دونوں باہوں کو زمین پر رکھدے۔

④ قعدہ میں جب بیٹھے دونوں پاؤں داہنی طرف نکالدے اور دونوں ہاتھوں کو ران پر رکھدیں اور انگلیاں خوب ملا کر رکھیں۔

نماز کے وہ آداب جو سب کیلئے یکساں ہیں

سجدہ کی جگہ قیام میں، اور رکوع میں پاؤں پر، سجدہ کی حالت میں ناک پر اور سلام پھیرتے وقت کندھوں پر نظر رہے۔ اور جمائی آوے تو خوب طاقت سے روکے

اور اگر نہ رکے تو داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کے پُشت سے روکے اور جب کھانسی کا اثر معلوم ہو تو بھی روکنے کی کوشش کرے اور ضبط کرے۔ سری نماز میں اتنی آواز سے پڑھے کہ خود سُن سکے۔

سلام پھیر کر ایک بار اللہ اکبر کہے پھر تین مرتبہ استغفر اللہ کہے آخری بار ذرا کھینچ کر پڑھے۔

ہر فرض نماز کے بعد یہ دعائیں پڑھے!

(۱) اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۳۹)

نوٹ:۔ ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ ج ۲ ص ۲۵۸ پر لکھا ہے کہ!

الیک یرجع السلام فحیینا ربنا بالسلام وادخلنا دارک دار السلام فلا اصل لھا بل مختلق بعض القصاص۔ یعنی ان جملوں کا ثبوت نہیں ملتا روایات میں بلکہ بعض قصہ گو لوگوں کا بڑھایا ہوا ہے۔

(۲) لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر۔

(۳) اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

کھانے کی چند سُنّتیں!

(۱) دسترخوان بچھانا۔

(۲) دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا۔

نوٹ:۔ علامہ شامیؒ کے نزدیک کھانے سے قبل کلی کرنا سُنّت نہیں ہے۔ جلد ۵ ص ۲۳۹ باب کتاب الحظر والاباحہ میں ایک سوال کے جواب میں کہ "کیا اپنے منہ کو دھونا مثل ہاتھ دھونے کے سنت ہے؟ فرماتے ہیں کہ نہیں مگر حالتِ جنابت میں بغیر کلی کئے ہوئے کھانا مکروہ ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔ وھل غسل فمہ لا کل سنۃ کغسل یدہ الجواب لا لکن یکرہ للجنب۔ لیکن اگر کوئی منہ کی صفائی کے لئے کلی کرنا چاہے تو منع نہیں ہے۔

(۳) بسم اللہ پڑھنا بلند آواز سے (شامی ج ۵)

(۴) داہنے ہاتھ سے کھانا۔
(۵) کھانے کی مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ بزرگ اور بڑا ہو اُس سے کھانا شروع کرانا۔
(۶) کھانا ایک قسم کا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا۔
(۷) اگر کوئی لقمہ گر جائے تو اُٹھا کر صاف کر کے کھالینا۔
(۸) ٹیک لگا کر نہ کھانا۔
(۹) کھانے میں کوئی عیب نہ نکالنا۔
(۱۰) جوتا اتار کر کھانا۔
(۱۱) کھانے کے وقت اُکڑو بیٹھنا کہ دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور سرین زمین پر ہو یا ایک گھٹنہ کھڑا ہو اور دوسرے گھٹنے کو بچھا کر اس پر بیٹھے یا دونوں گھٹنے زمین پر بچھا کر قعدہ کی طرح بیٹھے اور آگے کی طرف ذرا جھک کر بیٹھے۔
(۱۲) کھانے کے بعد برتن۔ پیالہ و پلیٹ کو صاف کر لینا۔ پھر برتن اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔
(۱۳) کھانے کے بعد کی دُعا پڑھنا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں بنایا۔

(۱۴) پہلے دسترخوان اُٹھانا پھر خود اُٹھنا۔
(۱۵) دسترخوان اُٹھانے کی دُعا پڑھنا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْهِ غَیْرَ مُکْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا۔

ترجمہ: سب تعریف اللہ کے لئے ہے ایسی تعریف جو بہت ہو، پاکیزہ اور بابرکت ہو۔ اے ہمارے رب ہم اس کھانے کو کافی سمجھ کر یا بالکل رُخصت کر کے یا اس سے غیر محتاج ہو کر نہیں اُٹھا رہے ہیں۔

(۱۶) دونوں ہاتھ دھونا۔
(۱۷) کُلی کرنا۔
(۱۸) اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو یوں پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ۔

(۱۹) جب کسی کی دعوت کھائے تو میزبان کو یہ دُعا دے۔

اللّٰھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی۔

ترجمہ: اے اللہ جس نے کھلایا مجھ کو اسکو کھلا اور جس نے پلایا مجھ کو اُسے پلا۔

(۲۰) سرکہ استعمال کرنا سنت ہے جس گھر میں سرکہ موجود ہے وہ گھر سالن سے خالی نہیں سمجھا جاسکتا۔

(۲۱) خالص گندم اگر کوئی استعمال کرتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اس میں کچھ جَو بھی ملالے چاہے تھوڑی ہی مقدار میں ہو تاکہ سنت پر عمل کا ثواب حاصل ہو جائے۔

(۲۲) گوشت کھانا سنت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دنیا اور آخرت میں کھانوں کا سردار گوشت ہے

(۲۳) (اپنے مسلمان بھائی کی) دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ البتہ اگر (غالب آمدنی) سود یا رشوت کی ہو یا وہ بدکاری میں مبتلا ہو تو اسکی دعوت قبول نہیں کرنا چاہیئے۔

(۲۴) اپنے عزیزوں، دوستوں، رشتہ داروں اور مساکین کو ولیمہ کا کھانا کھلانا سنت ہے۔

(۲۵) میت کے رشتہ داروں کو کھانا دینا مسنون ہے۔

(۲۶) کھانے کے وقت بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے (شامی) لیکن غم وفکر اور مرض کی بات نہ کرے۔

ف ۵ شرح ابو داؤد بذل المجہود صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے کہ جب کوئی شخص بسم اللہ کہہ کر اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو شیطان اپنے بھائیوں سے کہتا ہے کہ اے بھائیو! لَا مُبِیتَ لَکُم تمہارے لئے اس گھر کے دروازے بند ہو چکے۔ شب بسری کے لئے کوئی اور گھر تلاش کرلو۔ اور جب کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لیا جاتا ہے تو شیطان کہتا ہے لو اب کھانے پر بھی پابندی لگ گئی یعنی نہ یہاں رہ سکتے ہو اور نہ کھا سکتے ہو۔

اور اگر بندہ گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے تو اُس وقت شیطان اپنے بھائیوں سے کہتا ہے ادرکتم المبیت تم نے گھر پالیا رات گذارنے کے لئے اور اگر وہ بندہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو شیطان کہتا ہے ادرکتم المبیت و العشا یعنی قیام کے ساتھ ساتھ طعام کی بھی اجازت ہے۔

(باقی آئندہ)

٦٩
مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کا سوواں سالانہ
بتاریخ
۲۸ ، ۲۹ ، ۳۰
اکتوبر سنہ ۱۹۸۸ء
۱۷ ۱۸ ۱۹ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۹ھ
اجتماع
بروز
جمعہ ، ہفتہ
اتوار
حسب سابق
جامعہ اشرفیہ
فیروز پور روڈ
لاہور میں منعقد
ہوگا انشاء اللہ
جس میں علماء کرام و مشائخ عظام تشریف لائینگے
اس بابرکت اجتماع میں
خود بھی شرکت فرمائیں اور احباب کو بھی ہمراہ لائیے
نوٹ :
اجتماع کی آخری نشست میں پاکستان کی عظیم الشان دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے فارغین طلبہ کی دستار بندی بھی ہوگی
آنے والے حضرات
ریلوے سٹیشن سے بس ــــ نمبر ۱۱۳ ــــ نمبر ۱۱۴ اور ویگن نمبر ۱۴ ــــ نمبر ۲۴ سے تشریف لاویں
کتابت عبدالرشید قمر
مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان لاہور
صدر دفتر جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور فون ۲۷۱۵۰۴
نوٹ : بعد نماز عصر حضرت تھانویؒ کے سلسلہ کے خلفاء کی مجلس کا اہتمام ہوگا

البلاغ

نام کتاب :- **تاریخ رفتگاں**
مؤلف :- صابر براری سائز ۲۳ × ۱۸/۸
کل صفحات :- ۲۸۸ ۔ قیمت ۳۰/ روپے ۔
ناشر :- مکتبہ قادریہ ۔ جے ون / ۵۶ ۔ کورنگی ٹاؤن شپ کراچی ۳۱ ۔

تاریخ گوئی ایک مستقل فن ہے اور مادہ تاریخ نکالنے کا خاص اصول ہے جناب احمد مرزا قادری جو علم وادب کی دنیا میں صابر براری کے نام سے معروف ہیں اور نعت گوئی ان کا خصوصی وصف ہے ۔

نعت گوئی کے علاوہ اب صابر براری صاحب نے مشاہیر کے حالات جمع کر کے شائع کئے ہیں اس کتاب میں معاشرہ کے ہر طبقہ کے مشاہیر کو جگہ دی گئی ہے ۔ سنہ ۱۹۴۷ء سے سنہ ۱۹۸۵ء تک وفات پانے والے علماء، مشائخ، صوفیاء، خطیب، مؤرخ، مصنف، ادیب، شاعر، مدیر، صحافی، ماہرین تعلیم، ڈاکٹر فلسفی کی وفات پر تاریخ وفات کہنے کا اہتمام فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ ان کی مختصر سوانح حیات بھی درج کتاب کردی گئی ہے جن کو پڑھنے سے مذکورہ شخصیت کی عظمت کا پتہ چلتا ہے ۔ یہ قطعات تاریخ استادانہ شان کے حامل ہیں، بعض تاریخیں اپنی برجستگی، سادگی اور پرکاری میں بہت زیادہ اثر انگیز ہیں ۔

صابر براری صاحب نے جن کتابوں سے مشہور ہستیوں کے حالات لئے ہیں ان کا نام کتاب کے آخر میں درج کردیا ہے ۔ اس طرح ایک قابل اعتماد مواد جمع ہوگیا ہے ۔

یہ کتاب درحقیقت تاریخ وادب کا بہترین سنگم ہے ۔ مستقبل میں کام کرنے والوں کے لئے ایک رہنما اور کلید ثابت ہوگی البتہ بعض فروگذاشتیں قابل اصلاح ہیں ۔

اوّل یہ کہ مؤلف موصوف کو جن بزرگوں سے عقیدت ہے ان کے نام کے اوّل و آخر میں بے شمار القاب و آداب کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور جن باکمال اور صاحبان علم و فضل سے ذہنی وابستگی نہیں ہے محض ان کی شہرت یا کتاب کا وزن بڑھانے کے لئے ان کا تذکرہ ناگزیر تھا ان ہستیوں کا نام اور ان کی خدمات پر کوئی خاص تبصرہ نہیں فرمایا ہے اور نہ ہی ان کے نام کے ساتھ القاب و آداب کے تعظیمی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کتاب کی اس دو رنگی نے کتاب کی قدر و قیمت کو گھٹا دیا ہے۔ مؤلف کو ہمیشہ غیر جانب داری سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے بعض نام غلط ہیں ان کی اصلاح ضروری ہے علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی مثالی تصنیف کا صحیح نام فتح الملہم لشرح صحیح مسلم ہے غلطی سے فتح مسلم لکھا گیا ہے، العقل والنقل کا نام بھی غلط لکھا گیا ہے۔

مولانا احتشام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کے خاتمہ کے بعد انڈیا تشریف لے گئے تھے۔ جشن صد سالہ میں شرکت سے گورنمنٹ نے روک دیا تھا۔ مفتی محمود صاحبؒ کو عبدالخلیل نہیں بلکہ عبدل خیل میں دفن کیا گیا۔ آپ بنیالہ نہیں بلکہ پنیالہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے عربی کلام کے مجموعہ کا نام نفحات ہے۔

درگاہ لوری شریف ضلع بدین سندھ میں ماہ ذوالحجہ میں نویں دسویں تاریخ کو مناسک حج اور بیان عرفات کے خطبہ کی نقل کی جاتی تھی۔ سندھ کے مشہور اخبار الوحید کراچی کی فائلیں اس کی گواہ ہیں اور الوحید کے مدیر مولانا دین محمد وفائی مرحوم، قاضی فضل اللہ مرحوم، محمد ایوب کھوڑو مرحوم، پیرزادہ عبدالستار مرحوم جیسے سیاستدان اور سندھ کے علماء اور قائدین کے شدید اصرار پر حکومت سندھ نے پابندی عائد کی تھی اور ایک سندھی اور اردو کتابچہ اس کی تفصیل سے بھرپور شائع ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں ان فروگذاشتوں کو تصحیح کر کے شائع کیا جائے گا۔ مجلد کتاب سفید کاغذ پر شائع کی گئی ہے۔ کتاب کا گرد پوش بہت خوبصورت اور جاذب نظر ہے۔ قیمت البتہ زائد ہے۔ جس سے اس کا پھیلاؤ محدود ہو جائے گا۔ اس ضخامت کی کتاب کی قیمت -/۲۰ روپے مناسب تھی۔ (ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب :- **اشرف الاحکام** مرتب :- محمد اقبال قریشی ۔ سائز :- ۲۰×۳۰/۱۶

کل صفحات :- ۴۸ ۔ قیمت -/۴ روپے۔

ناشر :- ادارہ تالیفات اشرفیہ ۔ ٹبہ شرقی نزد مسجد فردوس ۔ ہارون آباد ۔ ضلع بہاولنگر

حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ و ملفوظات مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے اکسیر ہیں۔ ان کے مطالعہ سے بے شمار لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا ہوا۔ زیر تبصرہ کتاب میں قریشی صاحب نے حضرت حکیم الامت تھانوی کے مواعظ و ملفوظات سے فقہی مسائل جمع کئے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے بہت سے احکام و مسائل کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قریشی صاحب کو دارین کی جزا عطا فرمائے اور اس رسالے کو مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنائے آمین (ا۔ا۔خ۔س)